
مرد مومن
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں



مردِ مومن

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حیاتِ لیاقت

حیاتِ لیاقت

مرتبہ

رئیس احمد جعفری

ناشر

اودھ کتاب گھر
پوسٹ بکس نمبر ۴۴، بھرمی روڈ، کراچی

قیمت

پاکستانی سکّہ — : چھ روپے چھ آنے

ہندستانی سکّہ — : آٹھ روپے

طبع اول

اپریل ۱۹۵۲ء

انتساب

لیاقت علیخاں کی بوڑھی ماں کے نام

فہرست

جذبات ناشر

اودھ کتاب گھر

اودھ کتاب گھر مشہور و معروف نہ سہی، نام گوش آشنا ضرور ہے
—— تقسیم ہند ایک زلزلہ تھا جس نے چھوٹی موٹی جھونپڑیوں کا تو ذکر کیا، بڑے بڑے عالی شان محلوں کو پیوندِ خاک کر دیا —— انسان بھلا کب اپنی شکست مانتا ہے —— آثار قدیمہ کے کھنڈروں پر تعمیر نو کا کام شروع ہو گیا اور زوروں پر جاری ہے، لیکن —— تخریب آسان ہے تعمیر مشکل، بلکہ بہت مشکل۔

اودھ کتاب گھر انصار نہیں مہاجر ہے، مہاجر بھی کیسا، بنگلے اور شاندار دوکان کا الاٹی نہیں، فٹ پاتھ کا جھونپڑی نشین مہاجر۔ یہ مہاجر جب انصار تھا تو کیا تھا، یہ "پدرم سلطان بود" کی طرح لاحاصل ہے، اودھ کتاب گھر نے آپ کے سامنے کیا پیش کیا؟ —— جو ایک مہاجر پیش کر سکتا ہے:
دو سال میں تین کتابیں۔

اودھ کتاب گھر کس معیار کا ادب پیش کرتا ہے۔ یہ ہمارے بتلانے کی بات نہیں "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"، سونا آپ کے ہاتھ میں ہے اور کسوٹی آپ کے پاس، کھوٹا کھرا پرکھ دیکھئے۔

ہمارا آئندہ پروگرام کیا ہے یہ ہم بتا سکتے ہیں، لیکن وہ شاندار ہے

یا بے کار اس کا فیصلہ صحیح معنوں میں آپ کا ذوق سلیم ہی کرسکتا ہے
ہم جلد ہی انتصار حسین نیوتنوی کی نئی تصنیف منگیتر، علی عباس حسینی
کا نفسیاتی ناول "شائد کہ بہار آئی"، اور رئیس احمد جعفری کا سماجی ناول
"غلط فہمی" آپ کے ہاتھوں میں پہونچانے کی تیاریوں میں مصروف
ہیں۔

موت وحیات

ہم رئیس احمد جعفری کی ناول غلط فہمی کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ ـــــ ۱۶ اکتوبر کی شام کو یہ روح فرسا خبر بجلی بن کر ہمارے خرمن ہوش وحواس پر گری کہ کسی دشمن اسلام نے روشنی کے اس مینار کو جسکی ضیا پاشی کرنیں صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کی رہبری کر رہی تھیں ڈھا دیا ـــــ انسانیت کا وہ علمبردار جس نے دشمنوں کی وحشت اور بربریت کا جواب بھی محبت اور آشتی سے دینا سیکھا تھا انہوں کی وحشت اور درندگی کا نشانہ بن گیا۔

رائی ہو یا رعایا، وزیر ہو یا فقیر قائد ملت کی حیات ہر پاکستانی کے لئے مشعل راہ ہے، شہید ملت کی زندگی کا ہر ورق قوم کے لئے ہزاروں پیغام لئے ہوے ہے، ہم نے ان منتشر اوراق کو یکجا کرا کے شہید ملت کی سیاسی زندگی کی ایک جامع تاریخ اور ایک مکمل تصویر قوم کے سامنے پیش کرنے کا تہیہ کرلیا، لیکن اتنی بڑی ہستی کی اتنی بڑی زندگی کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالنا آسان کام نہ تھا،

ہماری نظر انتخاب ملک کے مشہور صحافی اور اہل قلم پر پڑی جو اس سے پہلے دو مقتدر ہستیوں کی حیات مرتب کر کے اہل ذوق سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔

حیات لیاقت کیا ہے؟

حیات لیاقت، لیاقت علی خاں مرحوم کی زندگی کا کوئی افسانہ نہیں ہے ۔ زندگی کے نشیب و فراز کا مرقع، جوانی کے رومانوں کی کہانی یا کامیابی و ناکامی کی تصویر نہیں۔ بلکہ تاریخ پاکستان کی سرخی ہے جس کو لیاقت نے اپنے خون سے لکھا ہے۔

لیاقت قوم کا لیڈر نہیں سچا خادم تھا، بے ریا خدمت کا وہ معیار جو اسلام نے آج سے تیرہ سو برس پہلے قائم کیا تھا لیاقت نے بیسویں صدی کے اس مادی دور میں اس کی لافانی مثال قائم کر دی، قوم لیاقت کے ایک ادنیٰ اشارے پر اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کو تیار تھی مگر قدرت نے قوم کو لیاقت کے لئے نہیں بنایا تھا بلکہ لیاقت کو قوم کے لئے پیدا کیا تھا، لیاقت کی پاک روح کو حق سے کئے ہوئے اس وعدے کا پاس تھا، اس کی غیرت یہ نہ گوارا کر سکی کہ اس کی قوم کا ایک قطرۂ خون بھی اس کے لئے بہے بلکہ اس نے اپنا خون قوم کے گلشن کی آبیاری کے لئے پانی کر دیا، پاکستانی قوم کی مختصر سی زندگی میں قدم قدم پر ایسے موڑ آئے جہاں قوم کا خون رگوں سے تڑپ کر نکلنے کے لئے بے چین ہو گیا، لیکن

قائدِ ملت اپنے استادِ سیاست، بابائے قوم قائدِ اعظم مرحوم کی طرح اپنی قوم کو ہر گرداب بلا سے قوم کا ایک قطرۂ خون گرے بغیر نکال لے گئے۔

ہٹلر نے اپنی قوم سے کہا تھا "تم مجھے خون دو میں تمہیں دنیا کی حکومت دوں گا"، قوم نے خون دے دیا مگر ہٹلر اپنی قوم کو دنیا کی حکومت نہ دے سکا۔

لیاقت کو قوم نے اپنے خون کی پیش کش کی مگر لیاقت کے جذبۂ فداکاری نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیاقت نے ببانگ دہل اعلان کر دیا کہ اگر قوم کی ترقی و خوش حالی، عزت و شہرت، عظمت و وقار کے لئے خون بہانے کی ضرورت پیش آئی تو قوم کا خون بے یار و مددگار نہ ہوگا بلکہ جس طرح لیاقت نے اپنی جان و مال کو قوم کے لئے وقف کر دیا ہے لیاقت کا خون بھی قوم کے — خون کے ساتھ مل کر اس کی رہبری کرے گا۔— لیاقت نے الفاظ سے قوم پر جاں نثاری کا جو معیار قائم کیا تھا اپنے کردار کو اس سے بھی اونچا ثابت کر دکھایا، اس کے کردار نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ اس کا خون قوم کے خون کے ساتھ گرے، بلکہ قوم کا ایک قطرۂ خون گرنے سے پہلے اپنے خون کی آخری بوند تک قوم پر نچھاور کر دی۔

حیاتِ لیاقت اسی شہیدِ ملت۔ ملت کی قومی زندگی اور سیاسی کارناموں کی تاریخ ہے، جس کو رئیس احمد جعفری نے الفاظ کا جامہ پہنایا ہے، رئیس احمد جعفری کی ذات محتاجِ تعارف نہیں ان کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ وہ رئیس ادب ہے جو مولانا محمد علی جوہر اور قائدِ اعظم

محمد علی جناح کی سوانح حیات لکھ کر اُردو ادب میں قابل قدر اضافہ کر چکا ہے۔

قائداعظم مرحوم کی سوانح متعدد ادیبوں نے مرتب کیں مگر جعفری صاحب کی تالیف سب میں ممتاز اور مقبول کیوں رہی اس کا راز ہمیں اس وقت معلوم ہوا جب قائد ملت مرحوم کی شہادت کے تیسرے یا چوتھے روز ہم نے جعفری صاحب سے درخواست کی وہ حیات لیاقت اتنی جلد مرتب کر دیں کہ ہم اس کو شہید ملت کے چالیسویں کے دن قوم کی خدمت میں پیش کر سکیں تو انھوں نے جواب دیا۔

"جہاں تک جلدی کا تعلق ہے میں دو ہفتہ میں کتاب مرتب کر کے دے سکتا ہوں لیکن وہ حیات لیاقت صحیح معنوں میں حیات لیاقت نہ ہوگی جسے میں اپنے نام سے منسوب کر سکوں"، جعفری صاحب کے اس بیان کی صداقت کا احساس ہمیں اس وقت بڑی شدت سے ہوا جب انھوں نے صحیح و مستند حالات کی تلاش میں اپنے ساتھ ہمیں بھی تھکا مارا اور ہمارے کرم فرما جناب محمد حسین الزماں صاحب کو گھسیٹتے گھسیٹتے دُبلا کر دیا۔

خدا کا شکر ہے کہ حیات لیاقت تیار ہو کر آپ تک پہونچ گئی، ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے اس کا فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے، کیا آپ ہم کو اپنی رائے عالی سے مطلع فرمانے کی زحمت گوارا کریں گے۔؟

محمد اثر حسین

کراچی ۲۳ جنوری ۱۹۵۲ء

"حیاتِ لیاقت" ــــــــــ لیاقت علی خاں کی مکمل سوانحعمری نہیں ہے، لیکن ان کی زندگی کے روشن کارناموں کا ایک البم ضرور ہے

لیاقت علی خاں پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جائیں گی میں نے اس کتاب میں کوشش یہ کی ہے کہ ایسا مواد پیش کروں جو لیاقت علی خاں کو سمجھنے میں مدد دے، ہم اگر زندگی میں لیاقت علیخاں کو نہیں سمجھ سکے، تو اب سمجھ لیں، یہ بھی ایک کارنامہ ہوگا۔

لیاقت علی خاں کی ولادت، طفولیت پھر تجہیز و تکفین، اخباروں کے ماتمی مقالے، لیڈروں کے یکساں۔ لیکن پرزور بیانات، ان سب باتوں کو تقریباً میں نے نظرانداز کر دیا ہے اور صرف ان امور کو ترجیح دی ہے جن کا وقت کے لحاظ سے ذکر ضروری تھا۔

رئیس احمد جعفری

۲۵ر دسمبر ۱۹۵۱ء

مُجاہِد

انھیں سمجھیں گے کیا کم ظرف انساں
نہیں ہے یہ حیاتِ عامیانہ

لہو سے کھیل کر سوتے ہیں جب یہ
ستارے تانتے ہیں شامیانہ

جہاں یہ نصب کر دیتے ہیں خیمے
جھکا کر سر گذرتا ہے زمانہ!

کرشمہ ہے کرشمہ ان کی ٹھوکر
زمیں سے پھوٹ پڑتا ہے خزانہ

سرِ تاریخ یہ اپنے لہو سے
لگا دیتے ہیں مُہرِ جاودانہ

انھیں تعلیم دیتے ہیں صحیفے
نہیں مرتا مجاہد کا فسانہ

(احسان دانش)

باب ۲

حیات لیاقت

ایک نظر میں!

یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء لیاقت علی خاں کی تاریخ پیدائش ہے، وہ کرنال (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے، نواب رکن الدولہ شمشیر جنگ رستم علی خاں کا یہ دوسرا لخت جگر تھا، پانچ سو برس پہلے یہ خاندان ایران سے ہندستان میں وارد ہوا تھا، لیاقت علی خاں کے اجداد کا سلسلۂ نسب نوشیروان عادل سے ملتا ہے۔

لیاقت علی خاں، ایک کامیاب خطیب، اور بہت بڑے سیاستداں تھے، ۱۹۱۹ء میں علی گڈھ کالج سے گریجویٹ ہوئے، اور اسی سال انگلستان روانہ ہو گئے، ۱۹۲۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے اکسٹر کالج EXETER

INNER TEMPLE سے ڈگری لی، ۱۹۲۲ء میں انر ٹمپل COLLEGE میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا، آکسفورڈ یونی ورسٹی ہندستانی طلبا کی انجمن "انڈین مجلس" کے خزانچی بھی منتخب ہوے۔

۱۹۲۲ء میں ہندستان واپس آئے، ۱۹۲۳ء سے مسلم لیگ میں شریک ہوے، اگرچہ وہ اچھے بیرسٹر تھے لیکن انھوں نے کسی عدالت میں باقاعدہ پریکٹس نہیں کی، گھر میں خدا کا دیا کافی تھا، فکر معاش سے آزاد تھے، اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ محدود پیمانہ پر اپنے وطن میں معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی سرگرمیوں میں منہمک ہو گئے۔

۱۹۲۶ء میں یوپی کی مجلس قانون ساز (یوپی کونسل) کے ممبر منتخب ہوے، ۱۹۴۷ء تک، یوپی کونسل (بعد میں اسمبلی) سے ان کا ممبری کا تعلق قائم رہا، چھ سال تک، یوپی کونسل کے نائب صدر بھی رہے کونسل میں انھوں نے ایک پارٹی بنائی تھی جس کا نام تھا، ڈیموکریٹک پارٹی DEMOCRATIC PARTY، اس پارٹی کے وہ لیڈر تھے۔

کئی سال تک مسلم یونی ورسٹی علی گڈھ، اور آگرہ یونی ورسٹی کی اگزیکیٹو کونسل کے ممبر بھی رہے، سات برس تک انگلو عربک کالج (دہلی) کے سکریٹری رہے۔ ۱۹۳۷ء میں انڈو برٹش ٹریڈ ڈیلی گیشن کے ممبر بن کر ولایت گئے، ۱۹۳۶ء میں جب قائد اعظم نے مسلم لیگ کی تنظیم جدید آغاز کیا تو سر یعقوب کے بجائے مسلم لیگ کے آنریری جنرل سکریٹری منتخب ہوے، اگست ۱۹۴۷ء تک اس منصب پر فائز رہے، اس منصب جلیلہ کے فرائض

جس تندہی، خلوص، بیباکی اور جوش کے ساتھ انجام دیے اس کا اعتراف بارہا قائد اعظم نے کیا، مسلم لیگ کے سنٹرل پارلی منٹری بورڈ کا صدر بھی قائد اعظم نے انہی کو بنایا، اور اس ذمہ داری کو بھی خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں ہندستان کی مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوے، مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر قائد اعظم تھے، اور ڈپٹی لیڈر میر غلام بھیک نیرنگ، لیکن اب لیاقت علی خاں پر یہ ذمہ داری بھی آپڑی، اور اسے انھوں نے بڑے رکھ رکھاؤ اور دانش مندی سے انجام دیا، یہاں انھوں نے اپنی سلجھی ہوئی تقریروں سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ بڑے اچھے مقرر اور بڑے پایہ کے DEBATER ہیں، سنہ ۱۹۴۵ء کے عام صوبائی اور مرکزی انتخابات میں مسلم لیگ کو جو بے مثال کامیابی ہوئی اس کا سہرا بڑی حد تک لیاقت علی خاں کی مردم شناسی اور حسن انتخاب کے سر ہے۔

سنہ ۱۹۴۵ء میں لارڈ ویول کی زیر صدارت جو شملہ کانفرنس ہوئی تھی اس میں لیاقت علی خاں بھی مدعو تھے اور مسلم لیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے انھوں نے اپنی شیوا بیانی، استدلال، اور خوبی تقریر کی دھاک بٹھا دی تھی سنہ ۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ نے عارضی حکومت INTERIM GOVERNMENT میں شرکت کا فیصلہ کیا، تو لیاقت علی خاں مسلم بلاک کے لیڈر تھے، اس حیثیت سے انھوں نے عارضی حکومت میں ممبر مالیات کا چارج لیا، اس طرح ہندستان کے سب سے پہلے فینانس منسٹر بننے کا اعزاز لیاقت علیخاں

کو حاصل ہوا، انھوں نے ۴۸-۱۹۴۷ء کا جو بجٹ اسمبلی میں پیش کیا، وہ عام طور پر بہت پسند کیا گیا، اور "غریب آدمی کا میزانیہ" کے نام سے مشہور ہوا، ۱۹۴۶ء میں حکومت برطانیہ نے ہندستان سے جن چار لیڈروں کو مستقبل ہند کا فیصلہ کرنے کے لئے مدعو کیا تھا ان میں ایک لیاقت علیخاں بھی تھے، وئسرائے نے جو PARTITION COUNCIL بنائی تھی، ہونے والی حکومت پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے لیاقت علیخاں اس کے ممبر تھے، ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وہ قائد اعظم کے دست راست کی حیثیت سے، پاکستان کے پہلے وزیر اعظم منتخب ہوئے، ۱۹۴۷ء کے آخر دسمبر تک وہ محکمۂ دفاع اور محکمۂ خارجہ کے وزیر بھی رہے پھر محکمۂ خارجہ سر ظفر اللہ خاں کو تفویض کر دیا گیا۔ اور دفاع کا محکمہ انھی کے ہاتھ میں آخر وقت تک رہا، ۱۹۵۰ء میں چودھری خلیق الزماں نے جب کل پاکستان مسلم لیگ کی صدارت سے استعفا دیا، تو کونسل کے ممبروں نے بالاتفاق لیاقت علی خاں کو مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا۔

۱۹۵۰ء میں، صدر ٹرومین کی دعوت پر امریکہ کا دورہ کیا، اور وہاں پاکستان کی نمائندگی اس شائستگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کی کہ ان کی اور پاکستان کی دھوم مچ گئی۔

قائدِ ملت کا خاندان ایک نظر میں!

نواب احمد علی خاں آف کرنال کے تین بیٹے ہوئے

۱۔ نواب عظمت علی خاں

۲۔ نواب رستم علی خاں

۳۔ نواب عمر دراز علی خاں

نواب رستم علی خاں کی اولاد

۱۔ نواب زادہ سجاد علی خاں (بقید حیات ہیں)

۲۔ نواب زادہ زبیدہ بیگم (مرحوم)

۳۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں

۴۔ نواب زادہ خورشید علی خاں (خودکشی کرلی)

۵۔ نواب زادہ صداقت علی خاں (بقید حیات ہیں)

۶۔ نواب زادہ شوکت علی خاں (مرحوم)

۷۔ نواب زادہ زاہدہ بیگم (مرحوم)

نواب عمر دراز علی خاں کی اولاد میں محترمہ جہانگیرہ بیگم بھی ہیں

جو لیاقت علی خاں کی پہلی بیگم ہیں، ان کے بطن سے نواب زادہ ولایت علی خاں ہوے، رعنا بیگم لیاقت علی خاں کے ہاں دو بیٹے ہوے، اشرف علی خاں اور اکبر علی خاں، جو ابھی نو عمر ہیں۔

نواب زادہ ولایت علی خاں کی اولاد کی تفصیل یہ ہے

۱۔ مشرف علی خاں ۱۱ سال

۲۔ قیصر جہاں ۱۰ سال

۳۔ تکریم علی خاں ۸ سال

۴۔ تنویر جہاں ۶ سال

۵۔ وجاہت علی خاں ۵ سال

نواب زادہ صداقت علی خاں کی اولاد یہ ہے

۱۔ مبارک علی خاں

۲۔ جاوید علی خاں

۳۔ ریحانہ

۴۔ رخسانہ

۵۔ فرزانہ

باب ۲

لیاقت علی خاں

مسلم لیگ سے پہلے!

دنیا کے اعاظم رجال پر اگر ایک نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا، ان کے بچپن میں بھی بڑائی کے آثار نظر آتے تھے، ان کا عہد طفولیت اس طرح گزرا کہ وہ طفلان شوخ و شنگ کے رہنما تھے، ان کی طالب علمی کا دور یوں صرف ہوا کہ بورڈنگ، اسکول اور کالج کی ساری ہنگامہ آرائیاں اور محشر خیزیاں ان کے دم قدم سے قائم تھیں، پھر جب وہ عملی زندگی میں داخل ہوئے تو گو قدم قدم پر مشکلات

عناں گیر ہوئیں، مصائب نے ان کا خیر مقدم کیا، حوصلہ فرسا حالات نے ان کے راستے میں کانٹے بچھائے، موانع کا ایک سلسلہ تھا جو شروع اس لئے ہوا تھا کہ کبھی ختم نہ ہو، لیکن وہ مردانہ وار، استقلال و استقامت کے ساتھ مسکراتے ہوئے چہرے اور ہنستی ہوئی پیشانی کے ساتھ میدان عمل میں ڈٹے رہے، ہر ناکامی ان کے سمندِ عزم کے لئے مہمیز ثابت ہوئی، ہر دشواری نے ان کے حوصلے اور امنگ میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ کر دیا، ہر رکاوٹ ان کی صبا رفتاری میں مخل ہونے کے بجائے ممد و معاون ثابت ہوئی۔ وہ بڑھتے رہے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ ایک روز بڑائی کی چوٹی پر پہونچ گئے۔ جہاں سے یہ دنیا بہت پست نظر آتی تھی۔

پس منظر اور ماحول

لیکن لیاقت علی خاں کی زندگی میں اس طرح کا کوئی پس منظر نہیں دکھائی دیتا، وہ ایک دولت مند خاندان کے فرد تھے، انھیں وہ تمام روایات ورثہ میں ملے تھے، جو، سرمایہ داروں اور مالداروں کا شعار بن چکے ہیں، یہ لوگ خدمت کرنا نہیں جانتے، خدمت لینا جانتے ہیں، ان کے دسترخوان پر طرح طرح کے لذیذ کھانے، ضرورت سے کہیں زیادہ موجود ہوتے ہیں، لہذا یہ نہیں جانتے

فقر و فاقہ کے عالم میں انسان پر کیا گذرتی ہے ؟ بھوک جب بہت بڑھ جاتی ہے، تو وہ کیا گل کھلاتی ہے، افلاس اور نکبت کا شباب، انسان کے مجد و شرافت پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے ؟ ان حضرات کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ عوام کا رجحان کسے کہتے ہیں ؟ عوام کے خیالات کی تربیت کس طرح کی جاتی ہے ؟ عوام کے جوش و خروش کو کیونکر قابو میں رکھا جاتا ہے ؟ عوام کے سیل بے پناہ سیر و زمیں گیر کو آنکھ کے ایک اشارے اور زبان کی ایک جنبش سے کیونکر قابو میں کیا جاتا ہے ؟ یہ لوگ اگر قوم کی خدمت بھی کرتے ہیں تو قوم کے لئے نہیں اپنے لئے، یہ قوم کا نام لے کر عروج و ارتقا کے مراحل طے کرتے ہیں، اور جب طے کر لیتے ہیں تو قوم کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں۔

جس ماحول اور جس فضا میں لیاقت علی خاں نے آنکھ کھولی جس سوسائٹی اور جس معاشرہ میں انھوں نے عملی زندگی کا آغاز کیا اس کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ سر محمد یوسف وغیرہ کے نقش قدم پر چلتے، ترقی کرتے، تو وزیر ہو جاتے، ترقی نہ کرتے تو اپنی جگہ قائم رہتے۔

زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد

لیکن لیاقت علی خاں نے نہ سکوت اختیار کیا، نہ ترقی کی طرف

قدم بڑھایا، بلکہ ایک عجیب اور بظاہر متضاد اصول پر اپنی عملی زندگی کی بنیاد رکھی، وہ عوام میں کبھی نہیں آئے، عوام کے دکھ درد کے ساتھی کبھی نہیں بنے، عوامی تحریکوں سے کبھی وابستہ نہیں رہے۔

وہ زمانہ جسے ان کے ہیجان شباب کا زمانہ کہا جاسکتا ہے، جب امنگیں جواں ہوتی ہیں، حوصلے تازہ ہوتے ہیں، ارادوں میں فولاد و آہن کی قوت و استقامت ہوتی ہے، انھوں نے سرد مہری کے ساتھ گزار دیا، نہ سر سے کھیلے نہ منہ سے بولے۔

انقلاب آفریں دور

یہ وہ زمانہ تھا، ہندستان کا جمود و تعطل، ہنگامہ خیزی اور سرگرمی سے بدل رہا تھا، پرانی قیادت دم توڑ رہی تھی اور نئی قیادت ابھر رہی تھی، تلک اور گوکھلے، محسن الملک اور وقار الملک کی جگہ، گاندھی اور موتی لال، محمد علی اور شوکت علی لے رہے تھے انگریزوں کی نیازمندی کا دور ختم ہوچکا تھا، بغاوت، سرکشی، اور مقابلہ کے جذبات پروان چڑھ رہے تھے، غلامی پر قناعت کا دور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوچکا تھا۔ آزادی استقلال اور حریت کے نعرے لگ رہے تھے، کانگرس نے نیا چولا بدل لیا تھا، اور خلافت کے نام سے ایک نئی اور نہایت ہنگامہ پرور تحریک عالم وجود میں آچکی تھی، عوام اور خواص، جاہل




اندرون خانہ
لیاقت علیخاں
اشرف علیخاں
رعنا بیگم لیاقت علیخاں
اکبر علیخاں
موج کی جستجو فراق، قطرہ کی آبرو فراق
گرمیِ آرزو فراق، شورشِ ہاؤ ہو فراق

اور عالم، بڑے اور چھوٹے، جوان اور بوڑھے، مرد اور عورت کسان اور مزدور، زمیندار اور سرمایہ دار، وکیل اور بیرسٹر جج اور منصف، ایک نئے جوش سے سرشار تھے، کالجوں کا مقاطعہ ہو رہا تھا، اسکولوں پر تالے پڑ رہے تھے، یونی ورسٹیاں قبرستان کی طرح ویران تھیں بائیکاٹ ہڑتال، ہنگامے، جلوس، جلسے، روزمرہ کے واقعات تھے جن لوگوں کے دلوں میں قوم کی ہمدردی اور خدمت کا جذبہ تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی، مستقبل، اور توقعات، سے یکسر منہ موڑ کر، میدان عمل میں قدم رکھ دیا تھا۔

نئی پود!

ایک طرف نئے لیڈر تھے جنھوں نے پرانے لیڈروں کو گوشۂ خلوت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا، گاندھی جی آزاد، موتی لال نہرو، محمد علی، شوکت علی، ابوالکلام آزاد، یہ وقت کے سب سے بڑے لوگ تھے، انھوں نے ایک نئی قوم بنائی تھی، ایک نئی زندگی کی طرح ڈالی تھی، ایک نیا جذبہ بیدار کیا تھا، ان کی حکایت، ان کی سحر طرازی، ان کی فسوں سازی، ان کی شخصیت، ان کا ایثار، ان کی قربانی، یہ سب چیزیں برصغیر ہندستان کے لئے نئی تھیں!

بالکل نئی، بالکل عجیب ——— !

ہندستان نے، اب تک جو کچھ سیکھا تھا، وہ صرف یہ کہ انگریزوں کی اطاعت کی جائے، انھیں نکال کر، قومی حکومت قائم کی جائے، جس میں ہندو اور مسلمان برابر کے شریک ہوں، یہ ایک نیا نعرہ تھا۔

لیکن بے انتہا مقبول اور بہت زیادہ محبوب —!

یہ نعرہ سارے ملک میں عام ہوتا جا رہا تھا، یہ نئے لیڈر، اس نعرہ کو، اس کی روح کو، اس کے مقتضا کو، زیادہ سے زیادہ شدت کے ساتھ ابھارتے جا رہے تھے۔

حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی
نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی

اور اس نئی قیادت کے ساتھ ایک نئی پود ابھر رہی تھی، یہ تھے جواہر لال، سوباش چندر بوس، شعیب قریشی خلیق الزماں، رفیع احمد قدوائی، عبدالرحمن سندھی، جے پرکاش نرائن، تصدق احمد خاں شروانی، عبدالرب نشتر، انھوں نے اپنے روشن مستقبل کو قوم پر قربان کر دیا، انھوں نے اپنے خاندان کی بہترین توقعات کو پامال کر دیا، انھوں نے خود کچھ نہ چاہا، جو کچھ چاہا صرف اپنی ملت کے لئے، اپنی قوم کے لئے، اپنے وطن کے لئے، اب ہندو اور مسلمان،

الگ الگ نہ تھے، ایک تھے، بھائی بھائی تھے، جامع مسجد دلی کے ممبر پر سوامی شردھانند تقریریں کرتے تھے، اور خلافت کی تحریک اور خلافت کے حفظ و بقا کے لئے، سوامی شنکراچاریہ جیل جاتے تھے،

یہ زمانہ لیاقت علی خاں کے ریعان شباب کا تھا لیکن اس ساری تصویر میں وہ کہیں نظر نہیں آتے، نہ کسی جلسہ میں شریک ہوے، نہ کوئی جلوس نکالا، نہ جیل گئے، نہ کھدر پہنا، نہ ہڑتال کرائی، نہ بائی کاٹ میں پیش پیش نظر آئے، نہ ستیہ گرہ کی، نہ کوئی قانون توڑا،

وہ اس اطمینان سے اپنی زندگی بسر کر رہے تھے، جیسے انھیں قوم، اور ملک، کے رنج و راحت سے کوئی سروکار نہیں نہ فکر امروز، نہ غم فردا،

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے،

دوسرا دور

متحدہ قومیت، حریت طلبی، ہندو مسلم اتحاد، اللہ اکبر، بندے ماترم، ست سری اکال کا دور، جتنے جاہ و جلال، اور دبدبہ و طنطنہ کے ساتھ آیا تھا، اسی تیزی اور سرعت کے ساتھ ختم ہو گیا۔

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

نفاق و افتراق کی ہوائیں چلنے لگیں، منافرت اور عداوت کا سکہ چلنے لگا، ہندوؤں کو اورنگ زیب عالمگیر، اور سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کی یاد ستانے لگی، مسلمانوں کو گاندھی جی کی ہندویت کھٹکنے لگی، شردھانند کی مسلم آزاریاں پریشان کرنے لگیں، شدھی اور سنگھٹن کے نعروں نے انھیں بھی تبلیغ اور تنظیم پر مجبور کر دیا،

گاندھی جی نے اعلان کیا "میری کوئی نہیں سنتا، میں بھی چپ کا روزہ رکھتا ہوں"، اور وہ اپنے سابرمتی آشرم میں معتکف ہو گئے۔

ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را

ہندو مسلمان لڑ رہے تھے، ایک دوسرے کا سر پھوڑ رہے تھے اور بربریت کی مشق کر رہے تھے، محمد علی شوکت علی نے اس طوفان کو تن تنہا روکنا چاہا، لیکن نہ روک سکے، وہ لوگ جو ان کے دست و بازو تھے رفیق اور دمساز تھے، وفادار اور معتمد تھے، خلافت سے اور علی برادران سے کنارہ کش ہونے لگے، پہلے ظفر علی خاں نے داغ مفارقت دیا، پھر ابوالکلام آزاد نے ساتھ چھوڑا، مقدمہ کراچی کے رفیق زنداں ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے بھی پینترا بدلا، اور باآخر وہ بھی رخصت ہو گئے۔ علی برادران اکیلے اب تک ڈٹے

تھے لیکن ان کی قوم ان سے بیزار ہوتی چلی جا رہی تھی، وہ شدھی اور سنگھٹن کا جواب چاہتی تھی، اتحاد و اتفاق پر وعظ سننا نہیں چاہتی تھی، گاندھی جی کی گوشہ نشینی کے بعد موتی لال نہرو نے بھی سکوت اختیار کر لیا، محمد علی، شوکت علی کے علاوہ اپنی قوم سے لڑنے کے لئے کوئی بھی تیار نہ تھا، نہ سابرمتی کا پیر مرد دانا، گاندھی، نہ آنند بھون کا ہیرو، موتی لال،

کچلو اور نیرنگ!

علی برادران اور مجلس خلافت سے ترک تعلق کرنے کے بعد ڈاکٹر کچلو ایک نئی تحریک "تنظیم" کے داعی بنے، یہ جماعت آل انڈیا بنیاد پر قائم ہوئی! میر غلام بھیک نیرنگ نے انجمن تبلیغ قائم کی۔

یہ شدھی اور سنگھٹن کا جواب تھا!

مسلمانوں کو وہ چیز مل گئی جو وہ چاہتے تھے:

ہندوؤں میں کانگرس ایک افسانۂ پارینہ بن چکی تھی، اور ہندو مہاسبھا کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا، مسلمانوں میں تحریک خلافت، ایک بھولا ہوا سبق بن چکی تھی، اور تحریک تنظیم و تبلیغ کی روشنی سے آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔

ڈاکٹر کچلو اپنے رفقا میں سب سے زیادہ عملی آدمی تھے، بہت جلد وہ مسلمانان ہند کے ہیرو بن گئے، تنظیمی کمیٹیاں

سارے ملک میں قائم ہوگئیں۔ پہلے جس شان سے علی برادران کے جلوس نکلتے تھے، اب اسی جاہ و تجمل کے ساتھ ڈاکٹر کچلو کے جلوس نکلنے لگے۔ ہندوستان کا کوئی شہر، کوئی قریہ، کوئی قصبہ ایسا نہیں تھا جہاں تنظیم کمیٹی موجود نہ ہو، سارے ہندوستان میں ایک ہلچل تھی، ہندوؤں میں بھی اور مسلمانوں میں بھی، اور یہ ہلچل اکثر و بیشتر خوں ریزیوں کی صورت میں رونما ہوا کرتی تھی، مسلمان ہندوؤں کو ملاجیاں بتاتے تھے اور ہندو مسلمانوں کو گالیاں دیتے تھے، جوش و خروش نے ہوش و خرد کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

اس سارے ہنگامہ خیز دور میں بہت سی نئی اور پرانی، جوان اور بوڑھی، کار آزمودہ، اور از کار رفتہ، سراسر جوش و عمل، اور یکسر سکوت و افسردگی، ہر طرح کی شخصیتیں منظر نمود پر ابھریں، لیکن اس سارے اور کئی برس کے طویل دور میں لیاقت علی خاں کی صورت کہیں نہیں دکھائی دیتی، نہ لیڈروں میں نہ لیڈروں کے عقیدت مندوں میں، نہ پہلی صف میں نہ پچھلی صف میں، نہ داعی کی حیثیت سے نہ مدعو کی حیثیت سے، حالانکہ یہ دور تحریک خلافت اور کانگرس سے بھی زیادہ ہنگامہ آفریں تھا اس دور نے بہت سے نئے لوگوں کو ابھارا، گمنامی سے پردۂ شہرت پر پہونچایا، قیادت کی کرسی بیش کی، جلوس نکالے، اور

نعرے لگوائے، لیکن لیاقت علی خاں کی دلفریب شخصیت، باوقار چہرہ، دل میں گھر کرنے والی تقریروں اور تجویزوں کو نہ ابھار سکا۔

لیاقت علی خاں نے اب تک جنبش نہ کی تھی!

شائد ابھی تک وہ اپنی راہ عمل متعین نہیں کر پائے تھے، !

شائد ابھی تک وہ فیصلہ نہ کر سکے تھے، کدھر جائیں ؟ کس طرف کا رُخ کریں،

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے!

شائد اب تک اپنے ذہن و دماغ کی صلاحیت پر خود انھیں اعتماد نہ تھا، وہ خود اپنے آپ کو تول رہے تھے، اپنا آپ جائزہ لے رہے تھے،

شائد اُن کے کانوں میں یہ صدا پڑ چکی تھی،

اے راہ رو پشت بہ منزل ہشدار!

وہ اس کے قائل نہیں تھے کہ بیٹھ منزل کی طرف ہو، قدم اس کی مخالف سمت میں رکھ رہے ہوں، اور منزل کے قرب کے بجائے بعد بڑھتا جائے،

شائد ان کا فیصلہ یہ تھا کہ منزل کا انتخاب خواہ کتنی ہی

دیر میں کیا جائے، کتنا ہی وقت غور و فکر میں صرف کرکے کیا جائے لیکن جب ایک مرتبہ منزل متعین ہو جائے، تو پھر وہی فکر و عمل، ذہن و دماغ، اور جوش و سرگرمی کا واحد مرکز اور منتہا ہو، وہ بار بار منزل بدلنے کے قائل نہیں تھے، ان کا اصول یہ تھا کہ بڑھا ہوا قدم کبھی اور کسی حالت میں، پیچھے نہ ہٹنے پائے۔

نتیجہ خیز تذبذب

یہی وجہ تھی کہ وہ اب تک تذبذب اور گومگو کے عالم میں تھے۔!

وہ تذبذب نہیں جو عزم و ارادہ کی کمزوری کا نتیجہ ہوتا ہے، وہ تذبذب جو نتیجہ ہوتا ہے فکر صحیح اور احساس کامل کا، جس کے بعد منزل واضح ہو جاتی ہے، راستہ صاف ہو جاتا ہے اور قدم صرف اس لئے اٹھتے ہیں کہ بڑھیں۔ وہ جوش میں بہنا نہیں جانتے تھے، وہ جوش کو فہم پر ترجیح نہیں دیتے تھے، انھیں شعر و شاعری سے زیادہ دلچسپی نہ تھی، نہ وہ سخن فہمی کے مدعی تھے، نہ سخن سنجی کے، لیکن اکبر کا یہ شعر ان کا رادلنا تھا۔

باطن میں ابھر کر ضبط فغاں، لے اپنی نظر سے کار زباں
دل جوش میں لا فریاد نہ کر، تاثیر دکھا، تقریر نہ کر

اُن کا ضمیر ابھر رہا تھا، نالۂ و فغاں سے وہ آشنا تھے، لیکن قوت ضبط بھی رکھتے تھے، انھوں نے زبان کا کام اپنی نظر سے لینا

نہیں سیکھا تھا، لیکن اس کی اہمیت انھوں نے اچھی طرح سمجھ لی تھی واقعات و حوادث کا اثر ان کے قلب پر پڑتا تھا، لیکن بے نتیجہ شورو شر کے وہ قائل نہ تھے، وہ تقریر کے مقابلہ میں تاثیر کے زیادہ قائل تھے، وہ جانتے تھے، تقریر بھی اسی وقت اثر کرتی ہے جب آدمی اپنے کردار میں تاثیر پیدا کر لیتا ہے، اور کردار کی تاثیر آن کی آن میں نہیں پیدا ہوتی، اس کے لئے ذہن و دماغ کی خاص تربیت کی ضرورت ہے، اور جب تک یہ چیز نہ پیدا ہو آدمی صحیح معنٰی میں نہ اپنے کام آسکتا ہے، نہ اپنی قوم کے، نہ اپنے ملک و وطن کے، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی تربیت کرتے رہے، اور ہر قسم کے ہنگامہ سے الگ رہے، وہ اسے پسند کرتے تھے کہ کچھ نہ بنیں، لیکن اسے کسی حالت میں گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ وہ بن جائیں جو نہ اپنے کام آسکے نہ قوم کے، وہ خاک میں مل کر کیمیا بننا چاہتے تھے، لیکن انھیں ایسی کیمیا بننا منظور نہ تھا جس کا حشر یہ ہو کہ وہ مٹی میں مل کر، مٹ جائے، برباد ہو جائے۔

وقت گذرتا رہا، تحریکوں کے سیلاب اور طوفان آتے رہے، ہنگامہ آرائیوں، اور انقلاب انگیزیوں کی ہوائیں چلتی رہیں، مگر وہ کسی سے مرعوب ہوئے نہ متاثر، نہ انھوں نے کسی کو اپنایا، نہ کسی کے بنے،

________ زندگی کا ایک دور یہ بھی ہوتا ہے، اور صحیح معنی میں تعمیری دور یہی ہوتا ہے،!

باب ۳

لیاقت علیخاں میدانِ عمل میں

یوپی کونسل ممبر، ڈپٹی پریسیڈنٹ

لیاقت علیخاں علی گڈھ کے گریجویٹ تھے۔ لندن سے بیرسٹری کی سند بھی ساتھ لائے تھے۔ زندگی کی ایک وسیع شاہراہ سامنے تھی، لیکن ارادہ کا مسافر ابھی قدم آگے بڑھاتے ہوئے جھجکتا تھا، یہ تو طے تھا کہ وہ نہ پریکٹس کریں گے، نہ سرکاری ملازمت ان دونوں چیزوں کو وہ اپنی افتادِ طبع کے خلاف سمجھتے تھے، وہ نواب زادہ تھے، ایک دولت مند گھرانے کے چشم و چراغ، خدا کے فضل سے اتنی جائداد موجود تھی کہ اگر صرف پیانو اور موسیقی سے

شغل قائم رکھنا چاہتے تو ساری زندگی گذر جاتی، اور انھیں کبھی کوئی پریشانی دامن گیر نہ ہوتی، لیکن انھیں سیاست کی گھما گھمی سے دلچسپی تھی، اس وادی پر خار میں قدم رکھنے کے لئے وہ پر تول رہے تھے۔

آرام کرسی کی سیاست!

لیاقت علی خاں کے سامنے تین راستے تھے۔

۱۔ کانگرس اور خلافت کا راستہ۔

۲۔ تنظیم اور تبلیغ کا راستہ۔

۳۔ عافیت پسندوں کا راستہ۔

انھیں پوری آزادی تھی کہ تین راستوں میں سے جو راستہ چاہیں اختیار کریں، ان میں سے وہ جس محفل میں بھی جاتے ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے، ان کی ذہنی اور دماغی صلاحیتیں ایسی تھیں کہ بڑی آسانی سے وہ ہر جگہ چھا سکتے تھے۔

آخری راستہ!

انھوں نے کافی غور و فکر کے بعد آخری راستہ اختیار کیا یعنی .... عافیت پسندوں کا راستہ، وہ جس ماحول میں رہے تھے جس فضا میں انھوں نے پرورش پائی تھی جس

سماج کے وہ ایک رکن تھے، جس رنگ حیات کے وہ خوگر ہو چکے تھے اسکا تقاضا یہی تھا کہ وہ ایسا راستہ اختیار کریں جس میں ترقی کے امکانات زیادہ سے زیادہ ہوں، شہرت اور ناموری کے تمام مواقع حاصل ہوں، جاہ و جلال کا ہر مرحلہ آسانی سے گرفت میں آسکتا ہو، لیکن نہ ہتھکڑی اور بیڑی کا شور ہو، نہ جیل اور حوالات کی زندگی ہو، نہ ایثار اور قربانی کا مطالبہ ہو، نہ سب کچھ کھو دینے اور لٹا دینے کی دعوت ہو، نہ کھدر اور گاڑھے کا سوال ہو نہ مزدوروں اور کسانوں، بے کسوں، امدادبے بسوں، تباہ حالوں اور پریشاں روزگاروں سے بھائی چارہ پیدا کرنے کی کوئی ضرورت ہو۔

اگر وہ خلافت کی تحریک سے دلچسپی لیتے، تو انھیں یہ سب کچھ کرنا پڑتا، اگر وہ تنظیم اور تبلیغ کی تحریکوں سے وابستہ ہوتے تو بھی انھیں ایک ایسی زندگی سے دوچار ہونا پڑتا، جس میں شور و غوغا ہنگامہ اور رستخیز کی جھنکار تو بہت کچھ ہوتی، لیکن نہ کوئی تعمیری کام ہوتا، نہ ٹھوس خدمت بن آتی، نہ ذاتی سربلندیوں کا راستہ صاف ہوتا، نہ قوم زیادہ عرصہ تک قدر افزائی کرتی۔

لے دے کے عافیت پسندوں کا گروہ باقی رہ گیا تھا جسے عملی سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا، اس کی زندگی صرف ایسٹر اور کرسمس کی تعطیلات میں چند روز کے لئے ابھرتی تھی، یا پھر کانفرنس آئین؛

کے اجلاس کے دوران میں، خواہ وہ کتنا ہی مختصر و طویل ہو، اس لئے گو بعض محکمے گورنر کے نامزد ممبروں کو سونپ دیئے گئے تھے، لیکن سارے اختیار و اقتدار کی باگ گورنر یا گورنر جنرل اور وائسرائے کے ہاتھ میں تھی، لہٰذا بے نتیجہ لیکن دلچسپ جنگ زرگری کے پُر لطف مناظر ان دنوں میں نظر آجاتے تھے۔

یوپی کی حیثیت!

ہندوستان کے اقلیتی صوبوں میں، صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ یہاں کے مسلمان دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے ممتاز اور سربلند تھے۔ تعلیمی اعتبار سے بھی اقتصادی اعتبار سے بھی، ذہنیت و دماغ کے لحاظ سے بھی مسلمانانِ ہند کی باگ ڈور انہی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، اسلامی ہند کی تمام سیاسی اور نیم سیاسی، مذہبی اور علمی، ثقافتی اور تمدنی سرگرمیوں کا مرکز یہی صوبہ تھا، یہیں مسلم یونیورسٹی تھی جس کی دھاک سارے ہندوستان میں بیٹھی ہوئی تھی، یہیں دارالعلوم دیوبند، فرنگی محل، اور دارالعلوم ندوۃ العلما نام کے زبردست ترین مذہبی ادارے تھے، جن کا لوہا، ہندوستان تو ہندوستان افغانستان، ایران، عراق، مصر، غرض تمام دنیائے اسلام میں مانا جاتا تھا، یہیں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس تھی جس نے ہندوستان کے

مسلمانوں میں تعلیمی ترقی اور بیداری کا ایسا صور پھونکا تھا کہ جگہ جگہ نئی درس گاہیں قائم ہو رہی تھیں، یہیں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا مرکز تھا، جس کی مرکزیت نے اُس فرقہ میں ایک نئی زندگی اور ہلچل پیدا کر دی تھی، یہیں منشی نول کشور آنجہانی کا وہ مشہور اور یگانۂ روزگار مطبع اور دارالاشاعت تھا جو ہندستان بھر میں اُردو، فارسی، عربی کی بہترین نادر اور مقبول کتابوں کا مخزن تھا، یہیں تکمیل الطب، منبع الطب، وہاجیہ کالج، اور دوسرے طبی ادارے تھے جنھوں نے ہندوستان کے طول و عرض میں طب یونانی اسلامی کی ترویج و ترقی میں سب سے زیادہ اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ یہیں مسلم لیگ کا مرکز تھا جس کے مستقل سکرٹری سر وزیر حسن (سابق چیف جسٹس اودھ چیف کورٹ) تھے اور جس نے مسلمانان ہند میں سیاسی شعور کے پیدا کرنے میں قائدانہ حصہ لیا تھا، یہیں انجمن خدام کعبہ کا مرکز تھا جس کے صدر اور سکرٹری حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم اور مولانا شوکت علی مغفور تھے، یہیں مسلمانوں کا وہ پشتینی اور مال دار طبقہ تھا، جو محمود آباد، نانپارہ، جہانگیر آباد، سلیم پور وغیرہ، جواڑوں اور تعلقہ داروں کے نام سے مشہور تھا۔

غرض ہر اعتبار سے یوپی ہی کو مسلمانان ہند کی رہنمائی کا شرف حاصل تھا، یہیں تحریکیں بنتی تھیں بگڑتی تھیں، پروان

بڑھتی تھیں، گھٹتی تھیں، ترقی کرتی تھیں، تنزل کے مراحل طے کرتی تھیں اور یہیں مسلمانان ہند کے حال اور مستقبل کے بارے میں فیصلے کئے جاتے تھے، تجویزیں منظور کی جاتیں تھیں، بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔

یوپی کا انتخاب!

اس پس منظر کو پیش نظر رکھ کر لیاقت علی خاں نے پہلا فیصلہ یہ کیا کہ اپنی سرگرمیوں کا مرکز لکھنؤ کو قرار دینے کا فیصلہ کیا۔

لیاقت علی خاں کی جائداد جس طرح یوپی میں (مظفر نگر میں) تھی، اسی طرح کرنال (پنجاب) میں بھی تھی، وہ چاہتے تو بڑی آسانی سے اور بغیر کسی قسم کی زحمت کے وہاں سیاسی سرفرازیاں حاصل کر سکتے تھے، اور اس لئے اور زیادہ کہ کرنال ہی ان کے آباؤ اجداد کے مجد و وقار کا مرکز تھا، یہیں وہ پیدا ہوئے تھے، یہیں انھوں نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں لیکن ان تمام چیزوں کو انھوں نے نظر انداز کر دیا اور بالکل صحیح طور پر لکھنؤ کو اپنی جولان گاہ قرار دیا، اور یہاں مستقل قیام اختیار کر لیا۔

کونسل کی تشکیل!

ہندوستان میں منٹو مارلے اصلاحات کا نفاذ ہو چکا تھا، ان اصلاحات کے ماتحت ہندوستان کے ہر صوبہ میں ایک مجلس آئین ساز قائم کی گئی تھی، جس کا سرکاری نام "کونسل" تھا، ان کونسلوں میں لوگ، عام حلقہ ہائے انتخاب سے منتخب ہو کر آتے تھے، لیکن منتخب ہونے کے باوجود حکومت کے معاملات میں انہیں کچھ بہت زیادہ دخل نہ تھا۔

گورنر کے اختیارات!

گورنر کو ان اصلاحات کی رو سے وہ اختیارات حاصل تھے جو خدا کو بندوں پر حاصل ہونے چاہئیں، یہ کونسلیں عوام کے سامنے نہیں گورنر کے سامنے جواب دہ تھیں، لوکل سلف تعلیم وغیرہ کو "صیغہ جات منتقلہ" کا کام دیا گیا تھا، یہ محکمے، گورنر، جس پبلک مین کو چاہتا سونپ سکتا تھا، قطعاً ضروری نہیں تھا کہ وہ کونسل کا ممبر بھی ہو، کونسل کو ہر چیز پر رائے دینے کا حق تھا لیکن گورنر کو بھی حق تھا کہ وہ یہ رائے مانے یا نہ مانے صیغہ جات منتقلہ کے وزیر، کونسل کے سامنے جواب دہ نہیں تھے۔ وہ بھی گورنر کے سامنے جواب دہ تھے، غیر منتقل صیغہ جات

مثلاً ہوم افیئرس، لا اینڈ آرڈر، پولیس وغیرہ انگریز ممبروں کی تحویل میں تھے، ان محکموں کے وہ مطلق العنان بادشاہ تھے منتقلہ اور غیر منتقلہ صیغہ جات کے وزیر ممبر کہلاتے تھے، وزیر کا کام انھیں نہیں دیا گیا، یہ سب لوگ گورنر کی اگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے، اور جو محکمہ جس کے سپرد ہوتا تھا، وہ اسی محکمہ کا ممبر کہا جاتا تھا۔

وزیروں کو تقریباً چار ہزار ماہوار تنخواہ ملتی تھی، آراستہ پیراستہ مکان ملتا تھا، دورے کرنے کی اجازت عام تھی اور اس سلسلہ میں گراں قدر الاؤنس ملتا تھا، کونسل کے عام ممبروں کو آجکل کی طرح تنخواہ تو نہیں ملتی تھی، لیکن اجلاس کے دنوں میں بیش قرار الاؤنس ملتا تھا۔

غرض یہ کونسلیں اپنے اندر دلچسپیوں کا کافی سامان فراہم رکھتی تھیں، ان ہی کے بارے میں اقبال نے جل کر کہا ہے۔

مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق

طب مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آوری

گرمیٔ گفتار اعضائے مجالس، الاماں

یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پاے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

سیاسی جماعتیں اور اصلاحات!

مجلس خلافت "دیو استبداد" کی قہرمانی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی، اس نے نہایت سختی کے ساتھ ان اصلاحات کا مقاطعہ کیا اور اپنے کسی ممبر کو اجازت نہ دی کہ وہ کونسل کی ممبری کے لئے کھڑا ہو، محمد علی کانگرس کے صدر تھے، انھوں نے بھی یہی روش اختیار کی، گاندھی جی کو اپنا ہمنوا بنایا، اور کانگرس سے فیصلہ کرا دیا کہ مجالس وضع قوانین میں کوئی کانگرسی ممبری کے لئے نہ کھڑا ہو، لیکن محمد علی اور گاندھی جی کی زیادہ نہ چلی، پنڈت موتی لال نہرو علم بغاوت لے کر کھڑے ہوئے سی آر داس کو انھوں نے اپنا ہمنوا بنایا، اور کانگرس کو مجبور کر دیا کہ انھیں کانگرس کے علاوہ کر "سوراج پارٹی" بنانے کی اجازت دے اور سوراج پارٹی کو آزادی ہو کہ وہ مرکز میں اور صوبوں میں، کانگرس کے ٹکٹ پر اپنے نمایندے کونسلوں کے لئے کھڑے کرے، کانگرس نے دباؤ میں آکر یہ بات منظور کر لی، اس لئے کہ

نہ گاندھی جی یہ چاہتے تھے، نہ محمد علی کی یہ خواہش تھی کہ نہرو داس کانگرس سے الگ ہو جائیں لیکن متعدد کانگرسی اس فیصلے کے بعد بھی غیر تبدیلی پسند NO CHANGER رہے۔
ذاتی طور پر انھوں نے کونسلوں سے ترک تعلق ہی رکھا جن میں علی برادران، گاندھی جی، راج گوپال اچاریہ، ولبھ بھائی پٹیل، راجندر پرشاد وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

کونسل میں داخلہ!

یہ حالات تھے جب لیاقت علی خاں میدان عمل میں اترے۔

لیاقت علی خاں نے کسی سیاسی جماعت سے رابطہ قائم نہیں کیا، نہ کانگرس سے نہ خلافت سے، نہ سوراج پارٹی سے، نہ مسلم لیگ سے، وہ ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے، آج بھی صلاحیت کی اساس پر دوست بہت کم ملتے ہیں، اس زمانے میں تو بالکل نہیں ملتے تھے، سفارش تعلقات، دباؤ، لالچ، رشوت، مواعید، یہ تیر بہدف نسخہ تھا، وڈیروں کو ہر جانے کا ادر سب ہی اس نسخہ کو استعمال کرنے پر مجبور تھے، دوسرے لوگوں کی طرح لیاقت علی خاں کو بھی

کافی روپیہ صرف کرنا پڑا اور بالآخر نہایت اطمینان اور نشاطِ خاطر کے ساتھ، یوپی کونسل کے ممبر منتخب ہو گئے، اور اس طرح زندگی میں بالکل پہلی مرتبہ انھوں نے بہت بڑا قدم اٹھایا، اور بغیر کسی جھجک اور ہراس کے، پوری یکسوئی طبع اور سکونِ خاطر کے ساتھ آگے بڑھتے ہی چلے گئے۔

کونسل کے اندر!

اس زمانے کی کونسل بڑی دلچسپ چیز تھی، سوراج پارٹی کے ممبر، گورنمنٹ پر بے باکی سے نکتہ چینیاں کرتے تھے، گورنمنٹ کی ہر تجویز کی مخالفت کرتے تھے، قدم قدم پر اسے شکست دینے کی کوشش کرتے تھے، غیر کانگرسی ممبران میں جو لوگ، گورنر کی اگزیکیٹو کونسل کے ممبر تھے، وہ قانون کے مسودے اور تجویزیں پیش کرتے تھے، دھواں دھار تقریریں کرتے تھے، ان کے مخصوص دوست ان کی تائید میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے تھے اور باقی ماندہ صاحب آپس میں گپیں کرتے تھے، جب ووٹنگ ہوتی تھی تو بے سوچے سمجھے حکومت کی تائید میں ہاتھ اٹھا دیتے تھے۔

لیاقت علی خاں، ان تینوں گروہوں میں سے کسی میں شامل نہیں تھے، کچھ روز تک تو وہ خاموشی سے یہ فضا دیکھتے رہے۔

چن لیں گے کوئی پھول بنا لیں گے نشیمن
ہم تو ابھی گلشن کی ہوا دیکھ رہے ہیں

اور کچھ روز کے بعد جب گلشن کی ہوا اچھی طرح دیکھ چکے، چمن کا باغبان کا، صیاد کا، بلبل کا، اچھی طرح جائزہ لے لیا تو خود اپنی ایک انڈیپنڈنٹ پارٹی بنا ڈالی، جو نہ کسی سے ہدایات لیتی تھی، نہ کسی کی دبیل تھی جو اپنی پالیسی میں ملک میں بالکل آزاد تھی اس پارٹی کا لیڈر لیاقت علی خاں حکومت کی تائید بھی کرتا تھا اور مخالفت بھی، اگزیکیٹو کونسل کے ممبروں پر تنقید بھی کرتا تھا اور ان کی تحسین بھی کرتا تھا، جب تائید کرتا تھا تو کسی لالچ کے ماتحت نہیں، جب مخالفت کرتا تھا تو کسی کی خوشنودی کی خاطر نہیں، جب تنقید کرتا تھا تو انتقام اور نفرت سے مجبور ہو کر نہیں، اور جب تحسین کرتا تھا تو امید فردا کے خوش آئند خواب دیکھ کر نہیں، اس کی موافقت اور مخالفت ہر چیز بے لاگ تھی، بے لوث تھی۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلہ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند

لیاقت علی خاں کی تنقید و تعریف بالکل اس شعر کا ایک دل فریب عکس تھی۔

ڈپٹی پریسیڈنٹ

لیاقت علی خاں نے جس شائستگی اور وقار کے ساتھ اپنی پارلیمانی زندگی کا آغاز کیا، اس نے دوست دشمن، موافق مخالف سب سے خراج تحسین وصول کیا، سب قائل ہوئے کہ یہ شخص، ذاتی سربلندیوں کی تمنا سے بے نیاز ہے، اس کی تقریر مدلل ہوتی ہے اس کی تنقید وزنی ہوتی ہے، اس کے خیالات ٹھوس ہوتے ہیں اس کی باتیں کھری ہوتی ہیں۔

یوپی کے مشہور لبرل رہنما، سر سیتارام ــــــــــــ جو پاکستان میں بھارت کے ہائی کمشنر کی حیثیت سے کافی عرصہ تک مقیم رہ چکے ہیں ــــــــــــ کونسل کے صدر منتخب ہوئے، نائب صدر لازمی طور پر کسی مسلمان ہی کو ہونا تھا، کیونکہ تعامل، اور روایات کا یہی تقاضہ تھا، ان کی نگاہ انتخاب اسی باہمہ اور بے ہمہ شخص پر پڑی اور لیاقت علی خاں نے اس اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اس منصب کو قبول کر لیا، جیسے یہ صرف ایک زینہ ہے آگے بڑھنے کا اور متعدد واقعات نے ثابت کر دیا، لیاقت علی خاں کو اپنی ذات سے جو حسن ظن تھا وہ وہ کچھ غلط نہ تھا۔

یوپی کونسل کی نائب صدارت کوئی معمولی کام نہیں تھا اس

منصب کو نبھانے کے لئے احساس ذمہ داری فرض شناسی، غیر جانبداری، معاملہ فہمی، تدبر، مآل اندیشی اور صبر و سکون کی ضرورت تھی! اور یہ تمام اوصاف لیاقت علی خاں میں بدرجہ اتم موجود تھے انھوں نے اپنی نائب وزارت کے زمانے میں کسی کو جائز شکایات کا موقع نہیں دیا، ایک دیانت دار اور باوقار انسان کی طرح اپنے فرائض مفوضہ کو خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، نہ کسی کو دبایا، نہ کسی سے دبے، اور اس منصب کے لئے اسی صلاحیت کی ضرورت تھی۔!

باب ۵

مُسلم لیگ میں شرکت
وقار اور اعزاز کے ساتھ

لیاقت علی خاں ۱۹۳۶ء میں یوپی کونسل کی ممبری حاصل کرنے میں کامیاب ہوے، یہاں انھوں نے جس شائستگی اور دم خم کے ساتھ کام کیا، اس نے ان کے مداحوں اور قدر شناسوں کا ایک وسیع حلقہ پیدا کر دیا، لیکن یہ حلقہ وسیع ہونے کے باوجود محدود تھا، ان کی سرگرمیاں جو کچھ بھی تھیں وہ بہر حال صوبہ ہی تک محدود تھیں، ابتک آل انڈیا پلیٹ فارم ان سے دور تھا، اگرچہ اپنی صلاحیتوں کی بنا پر وہ اس کا حق رکھتے تھے کہ آل انڈیا مسائل

میں حصہ لیں، ہندوستان گیر جماعتوں میں شرکت کریں اور کل ہند اداروں کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز و محور بنائیں، صوبائی سیاسیات تک اپنے آپ کو محدود رکھنا خود اپنے اوپر اور اپنی صلاحیتوں پر ظلم تھا، زیادتی تھی،

کچھ اور چاہئے وسعت.....!

لیاقت علی خاں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کے عادی تھے، ایک مآل اندیش اور دانشمند آدمی سے توقع بھی اسی کی ہو سکتی ہے، وہ ان لوگوں میں نہیں تھے، جو کہنیاں مار کر آگے بڑھتے ہیں، جو دوسروں کو پیچھے ڈھکیل کر اپنے لئے جگہ پیدا کرتے ہیں جو دوسروں کے زوال پر اپنے عروج کا قصر فلک نما تعمیر کرتے ہیں یہ فرومایہ باتیں ان کی طبع بلند سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھیں وہ سستی شہرت اور سہل الحصول عظمت کے قائل ہی نہیں تھے۔

انھوں نے سارے ہندوستان پر ایک طائرانہ نظر ڈالی، انھوں نے ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کا جائزہ لیا، انھوں نے قومیت متحدہ کے علمبردار، اور فرقہ وارانہ اداروں کو ان کی سرگرمیوں کو ان کے اغراض و مقاصد کو، ان کے قول و عمل کو ایک ممتحن کی نظر سے دیکھا اور فیصلہ کر لیا کہ وہ مسلم لیگ میں شرکت کریں گے، اور اس فیصلہ کو انھوں نے بہت جلد عملی جامہ بھی پہنا دیا۔

مسلم لیگ پر ایک نظر!

مسلم لیگ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں میں سب سے زیادہ "انقلاب پسند جماعت تھی" انقلاب پسند" اس اعتبار سے کہ اس کی پالیسی میں، نظریات میں، عقائد و خیالات میں، عمل اور آہنگ میں بار بار اور جلد جلد انقلاب ہوتا رہتا تھا ہر نیا صدر اس کی باگ جدھر چاہتا تھا موڑ دیتا تھا، ہر نئے اجلاس میں اس کی منزل مقصود بدل جاتی تھی، اس پر بڑی آسانی سے قبضہ ہو جاتا تھا، نہ قبضہ کرنے میں دیر لگتی تھی نہ قبضہ سے دستبردار ہونے میں، اس کی تاسیس و تشکیل میں، اسلامی ہند کے بہترین دل و دماغ شریک تھے، محسن الملک، وقار الملک، محمد علی، آغا خاں، اور کئی اچھے اور مخلص لوگ، لیکن بہت جلد موقع پرستوں کی کنیز بن گئی، سر رضا علی قابض ہوئے تو وہ الف لیلہ کے پیر تسمہ پا ثابت ہوئے، مہاراجہ محمود آباد نے دست شفقت پھیرا تو وہی سیاہ و سفید کے مالک بن گئے، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں آئے تو انھیں حقوق شہنشاہی حاصل ہو گئے۔ عزیز مرزا نے باگ سنبھالی تو جب تک ہاتھ شل نہ ہو گئے باگ نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا، ظہور احمد (وکیل) سکریٹری بنے تو ان کا ایک کمرہ مسلم لیگ بن گیا، مظہر الحق صدارت کی مسند پر بیٹھے تو رنگ کچھ اور ہو گیا، ڈاکٹر انصاری نے کرسی صدارت پر قبضہ کیا

تو رنگ بالکل بدل گیا، سر علی امام کو یہ رتبۂ بلند ملا تو حالات نے پھر پلٹا کھایا، سر عبد الرحیم نے صدارت کی، تو مسلم لیگ فرقہ پرست بن گئی، سر شفیع صدر ہوے، تو مسلم لیگ سرکار برطانیہ کی یار وفادار بن گئی، حسرت موہانی کے نام قرعہ صدارت پڑا تو وہ قومیت متحدہ کی علمبردار نظر آنے لگی، غرض ہر سال اور ہر صدر کے ساتھ مسلم لیگ کے آب و رنگ اور خد و خال میں فرق آتا رہتا تھا۔

مسٹر جناح اور لیگ!

لیکن اب کچھ عرصہ سے لیگ کی ہیئت ترکیبی میں ایک دیرپا انقلاب نظر آرہا تھا۔!

اب صورت یہ تھی کہ مسٹر جناح لیگ کونسل کے مستقل صدر بن گئے تھے، وہ ابتک قائداعظم نہیں بنے تھے، مسلمانوں سے بہت دور، اور ہندوؤں سے بہت قریب تھے، پھر بھی وہ آہنی عزم وارادہ کے مالک تھے، پالیسی کی تشکیل انھیں کے ہاتھ میں تھی، سالانہ اجلاس کے موقع پر، صدر اجلاس عام نیا ہوتا تھا، لیکن کونسل کا صدر جس کے ہاتھ میں لیگ کی باگ ڈور تھی مستقل تھا، لہٰذا اس کی پالیسی اور رفتار و گفتار میں یکسانیت اور ہمواری پیدا ہوگئی تھی لیگ کے لئے یہ بھی بہت انقلاب تھا، اگرچہ خوش آئند اور خوش گوار۔

مسٹر جناح نے جب لیگ کی قیادت ہاتھ میں لی، تو لیگ کا سارا نظام اُن کی گرفت میں آگیا، اب لیگ کے سالانہ اجلاس کا صدر، آئندہ کی پالیسی متعین کرنے میں آزاد اور خود مختار نہیں تھا، بلکہ اس پالیسی پر چلنے اور اُسے روبہ کار لانے پر مجبور تھا جسے مسٹر جناح وضع کر چکے تھے اور لیگ کونسل سے اس کی تائید کرا چکے تھے اس صورت حال نے لیگ کی تجویزوں اور فیصلوں کا بھرم پیدا کر دیا تھا، عوام بھی اس کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے اور خواص بھی۔

نہرو رپورٹ!

۱۹۲۸ء میں پنڈت موتی لال نے نہرو رپورٹ پیش کی، یہ لارڈ برکن ہیڈ وزیر ہند کے طنز کا جواب تھا۔ لارڈ صاحب نے فرمایا تھا کہ ہندوستانی ایک متفقہ دستور اساسی بھی اپنے ملک کا نہیں پیش کر سکتے۔ پھر وہ آزادی کیا لیں گے؟ موتی لال نے اس چیلنج کو قبول کر لیا، اور نہرو رپورٹ تیار کر ڈالی۔

اس رپورٹ نے ہندو اکثریت کو سب کچھ دے دیا تھا جو وہ چاہتی تھی، اور مسلم اقلیت سے وہ سب کچھ چھین لیا تھا جو اب تک اسے حاصل تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ نہرو کمیٹی کے واحد مسلمان ممبر شعیب قریشی نے ممبری سے استعفا دے دیا، موتی لال نے شعیب کی جگہ، خلیق الزماں اور تصدق احمد خاں شروانی کو بالکل آخری مرحلہ پر ممبر بنا لیا۔ اور ہندوستان

کی طرف سے، ہندستان کی اقلیتوں، سکھوں، اچھوتوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کی طرف سے بھی نہیں اپنی کمیٹی کی طرف سے "متفقہ" دستور اساسی پیش کر دیا جسے کانگرس نے منظور کر لیا، اور گاندھی جی اس کی پشت پناہی پر تیار ہو گئے، گاندھی جی اور موتی لال کی یہ روش دیکھ کر علی برادران کانگرس سے مایوس ہو گئے۔ اور انھوں نے نہرو رپورٹ کی مخالفت میں ایک محاذ قائم کر لیا، علی برادران کی مخالفت نے ہندستان کے مسلمانوں میں نہرو رپورٹ کے خلاف بیزاری اور مخالفت کا طوفان برپا کر دیا، حالانکہ مولانا ابوالکلام آزاد کی سرپرستی میں مولانا ظفر علی خاں، عطاء اللہ شاہ بخاری، حبیب الرحمن لدھیانوی، عبدالقادر قصوری اور ڈاکٹر کچلو، رپورٹ کی پرزور حمایت کر رہے تھے، لیکن پنجاب کے مسلمان بھی علی برادران کے ساتھ تھے، اور رپورٹ کی مخالفت میں شدید مظاہرے کر رہے تھے۔

مسلم لیگ کا رویہ!

ہندستان کی تقریباً تمام سیاسی جماعتوں نے، اپنے مسلک کا نہرو رپورٹ کے سلسلہ میں اعلان کر دیا تھا۔

یا مخالفت، یا موافقت۔!

لیکن مسلم لیگ اب تک خاموش تھی!

اس لئے کہ مسٹر جناح کا سکوت ابتک قائم تھا،!

اور مسٹر جناح کے سکوت سخن شناسی کی علت یہ تھی کہ وہ ابتک نہ کانگرس سے مایوس ہوے تھے، نہ موتی لال نہرو سے، نہ ہندو قوم سے، انھوں نے ابھی حال میں اپنے مشہور چودہ نکات ترتیب دیے تھے وہ چاہتے تھے کہ رپورٹ میں اتنی ترمیم کردی جاے کہ یہ نکات شامل کر دیے جائیں، پھر مسلمان خوش ہو جائیں گے، مطمئن ہو جائینگے اس کی مخالفت ختم ہو جاے گی، پھر وہ مخلوط انتخاب پر راضی ہو جائیں گے پھر وہ کانگرس کی سیاست قبول کرلیں گے، پھر انھیں گاندھی جی کی قیادت پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، پھر وہ ہندو اکثریت کی بالادستی بھی مان لیں گے۔

بات بھی یہی تھی!

جو مسلمان لیڈر اور مسلمان ادارے رپورٹ کی مخالفت کر رہے تھے وہ صرف یہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ضروری تحفظات دیدیے جائیں، ان کے جائز اور واجب مطالبات مان لئے جائیں، پھر نہرو کے ساتھ ہیں۔

علی برادران جو رپورٹ کی مخالفت میں پیش پیش تھے، اور جو کبھی جنگ اپنے سابق وفادار دوستوں اور کارکنوں سے لڑ رہے تھے، وہ یہی چاہتے تھے کہ جناح کے چودہ نکات رپورٹ میں شریک کر لئے جائیں، مسلمان اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے، تقسیم ہند، آزاد مسلم مملکت کا تصور اب تک کسی معقول اور ذمہ دار شخص

کے دماغ میں نہیں آیا تھا حتیٰ کہ ڈاکٹر اقبال تک ——————
جنھوں نے دو سال بعد ۱۹۳۰ء میں لیگ کے خطبۂ صدارت میں
پاکستان کا تصور پیش کیا —————— صرف اسی پر قناعت کرتے
نظر آرہے تھے۔

محمد علی، اور علی محمد

دسمبر ۱۹۲۸ء میں کلکتہ، قومی تحریکات کا سب سے بڑا مرکز
بن گیا، موتی لال کی صدارت میں کانگرس کا سالانہ اجلاس یہیں
ہو رہا تھا، محمد علی کی صدارت میں مجلس خلافت کا سالانہ اجتماع
بھی یہیں ہو رہا تھا، سر علی محمد خاں، مہاراجہ محمود آباد کی صدارت
میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بھی یہیں ہو رہا تھا،

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے، اس مرتبہ
مسلم لیگ کی صدارت محمد علی کے حصہ میں آرہی تھی، ملک کے
سربرآوردہ اشخاص، بلند پایہ اخبارات، اور قابل ذکر اداروں
کی طرف سے شدت کے ساتھ محمد علی کے نام پر زور دیا جارہا تھا لیکن
مسٹر جناح محمد علی کی صدارت کے مخالف تھے،

کیوں مخالف تھے؟

کچھ اس لئے کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں،
محمد علی، اور جناح، دونوں اپنی اپنی جگہ، فولاد و آہن تھے ان میں

ٹکر ہو سکتی تھی، اشتراکِ عمل مشکل تھا، اور زیادہ تر اس لئے کہ محمد علی اپنی پالیسی کا اعلان کر چکے تھے، وہ نہرو رپورٹ کی مخالفت کر رہے تھے اور جناح صاحب کسی ایسے شخص کو لیگ کا صدر بنانے پر تیار نہیں تھے، جو مخالفت کر چکا تھا، ان کا خیال تھا، اس طرح کانگریس اور پنڈت نہرو سے مفاہمت کے تمام امکانات ختم ہو جائیں گے، لہٰذا انہوں نے چھانٹ کر مہاراجہ محمود آباد کو صدر بنایا، جو موتی لال کے خاص الخاص دوستوں میں تھے، خود مسٹر جناح سے بھی موتی لال کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے، اور انہیں امید تھی کہ دوستانہ ماحول میں سارے اختلافات خوش اسلوبی سے طے ہو جائیں گے اور یہ معمولی ترمیمیں منظور کرنے سے موتی لال انکار نہیں کریں گے۔ مسٹر جناح نے یہاں تک احتیاط برتی تھی کہ ابتک کانگریس کی مخالفت میں، یا نہرو رپورٹ کے خلاف، یا موتی لال کے خلاف ایک لفظ بھی پبلک طور پر نہیں کہا تھا، وہ بالکل خاموش تھے اور بہت زیادہ پر امید۔

نیشنل کنونشن!

اس موقع پر ڈاکٹر انصاری کی زیر صدارت ,,نیشنل کنونشن'' بھی منعقد ہو رہی تھی۔

یہ ,,نیشنل کنونشن'' کیا چیز تھی؟ —————؟

نہرو رپورٹ اگر صرف کانگرس منظور کر لیتی تو بہر حال یہ ایک اقدام صرف ایک جماعت کا ہوتا، لہذا موتی لال کی تجویز سے ڈاکٹر انصاری نے کنونشن طلب کی، جس میں تمام سیاسی جماعتوں کو شرکت کی دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اپنا نقطۂ نظر پیش کریں اپنے خیالات واضح کریں، اپنے دلائل سے حاضرین کو قائل کرنے کی کوشش کریں اور اپنی ترمیمیں بغرض استصواب اجلاس میں رکھیں اکثریت بہر حال ہندوؤں کی تھی، لہذا یہ یقین تھا وہی منظور ہوگا جو ہم چاہیں گے، اور وہ رد کر دیا جائے گا جسے ہماری سند قبول حاصل نہیں ہوگی۔ مسٹر جناح اپنے دلائل کی قوت، اور اپنے مطالبات کی معقولیت پر اس درجہ مطمئن تھے کہ انھیں یقین کامل تھا، لیگ کی ترمیمات منظور کر لی جائیں گی۔ لہذا جہاں ایک طرف مجلس خلافت نے کنونشن کی دعوت مسترد کر دی، وہاں دوسری طرف مسلم لیگ نے بڑے شوق اور اشتیاق کے ساتھ یہ دعوت منظور کر لی، اور طے کر لیا کہ کنونشن میں لیگ کا وفد شریک ہوگا۔

لیگ کونسل کا جلسہ

چنانچہ ابرٹ ہال میں لیگ کونسل کا جلسہ منعقد ہوا، چونکہ مسٹر جناح کی طرف سے اب تک سعادت مندی کا اظہار ہو رہا تھا لہذا اس جلسہ میں مولانا ابوالکلام آزاد، مسٹر آصف علی وغیرہ بھی

شریک ہوئے۔ اس جلسہ میں ایک نئی شخصیت ابھرتی نظر آرہی تھی
لیاقت علی خاں!

لیاقت علی خاں نے ہنگامہ خیز طریقہ پر تو حصہ نہیں لیا کہ کرسیاں ٹوٹتیں، اور میز پر گرتیں، اپنی مسلمہ شائستگی، وقار اور مدبرانہ شان کے ساتھ انھوں نے لیگ کی کارروائیوں میں حصہ لیا، ان کی باتیں حاضرین نے توجہ سے سنیں، ان کے خیالات پر سنجیدگی سے غور کیا گیا، ان کی سحر طراز شخصیت نے جہاں اور بہت سے قابل ذکر، اور ناقابل ذکر لوگوں کو متاثر کیا، وہاں مسٹر جناح، سر علی محمد خاں، اور مسٹر چھاگلا (موجودہ چیف جسٹس بمبئی ہائی کورٹ) کو بھی متاثر کیا، مسٹر چھاگلا اس زمانے میں مسٹر جناح کے دست راست تھے، ان میں اور مسٹر جناح میں وہی ربط ضبط تھا، جو بعد میں قائد اعظم اور قائد ملت میں ہوا۔

مسلم لیگ کا وفد!

بالآخر کونسل نے مسٹر جناح کی یہ تجویز منظور کرلی کہ کنونشن میں مسلم لیگ کا وفد بھیجا جائے۔

وفد کی تشکیل اور اس کے ممبروں کے انتخاب کا کام مسٹر چھاگلا کے سپرد ہوا، مسٹر جناح سے مشورے کے بعد چھاگلا صاحب نے کونسل کے سامنے ممبران وفد کے نام پیش کئے، ان ممبروں میں جہاں مسٹر جناح

سر علی محمد خاں، مسٹر چھاگلا اور دوسرے بڑے بڑے مسلم سیاست داں اور زعیم و قائد شریک تھے، وہاں ایک نو آموز شخص بھی تھا جسے بعد میں دنیا نے خان لیاقت علی خاں کے نام سے جانا، اور مسلمانوں نے قائد ملت کی حیثیت سے پہچانا۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی!!

یہ شعر آگے چل کر لیاقت علی خاں پر بالکل چسپاں ہو گیا۔

مسلم لیگ کا وفد جس کے ایک ممبر لیاقت علی بھی تھے، بڑی تمناؤں اور امیدوں کے ساتھ نیشنل کنونشن میں شریک ہوا، وفد کے زعیم کبیر کی حیثیت سے مسٹر جناح نے ایک دل ہلا دینے والی تقریر کی اور نہایت اخلاص سے اپنے مطالبات پیش کئے۔ سر تیج بہادر سپرو، ساری کنونشن میں واحد شخص تھے، جنھوں نے مسٹر جناح کی تائید کی، لیکن موتی لال نے ایک نہ سنی، جناح کی ساری ترمیمیں ایک ایک کرکے مسترد کر دیں، نتیجہ یہ ہوا وفد خالی ہاتھ گیا تھا، خالی ہاتھ واپس آیا۔

اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالبؔ
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

باب ۷

لیاقت علی خاں

فنانس منسٹر کی حیثیت سے!

عارضی حکومت میں جب مسلم لیگ نے وائسرائے ہند لارڈ ویول کی بدعہدی کے باعث شرکت سے انکار کیا تو کانگرس پارٹی نے تمام اہم اور کلیدی عہدے اپنی پارٹی کے سپرد کر دیئے اور جن مسلمانوں کو مسلم لیگ کی عدم شرکت کے باعث عارضی طور پر وزارت میں لیا تھا ——— مثلاً سر شفاعت احمد خاں، اور علی ظہیر اور مسٹر آصف علی وغیرہ ——— ان کو ایسے محکمے دیئے جن کی کوئی خاص حیثیت نہیں تھی۔

مسلم لیگ کا احتجاج!

جب وائسرائے کی یقین دہانی کے بعد، مسلم لیگ عارضی

حکومت میں شرکت پر رضامند ہوئی، تو وہی معمولی محکمے مسلم لیگ کو پیش کئے گئے۔ آخر بڑی ردوکد کے بعد، مالیات اور تجارت کا محکمہ مسلم لیگ پارٹی کے ممبروں کو دیا گیا، چنانچہ قائداعظم نے تجارت کے لئے مسٹر چندریگر کو (جواب پنجاب کے گورنر ہیں) اور مالیات کے لئے مسٹر لیاقت علی خاں کو تجویز کیا۔

محکمۂ مالیات!

مالیات کا محکمہ اب تک کسی ہندستانی کے سپرد نہیں کیا گیا تھا، جب سے انگریزی راج کا سلسلہ شروع ہوا تھا، اسی دن سے اب تک اس منصب پر انگریزوں ہی کا تقرر ہوتا رہا، یہ کوئی اعزازی منصب نہیں تھا، اس منصب کے لئے اہلیت، قابلیت، مہارت، شرط تھی کانگرس نے فراخ حوصلگی کو کام میں لاکر، یہ محکمہ مسلم لیگ پارٹی کو نہیں پیش کیا تھا، یہ سمجھ کر پیش کیا تھا، قائداعظم جس شخص کو بھی اس منصب کے لئے تجویز کریں گے، وہ اسے بھاری پتھر سمجھ کر چوم کر ہٹ جائے گا۔

اس محکمہ کی کامیابی پر ہندستان کی اقتصادیات کا انحصار تھا اس کی ناکامی کے معنی یہ تھے کہ ہندستان مالی اور اقتصادی اعتبار سے پست ہوگیا، اس کی ساکھ گر گئی، اس کا وقار کم ہوگیا، اسکی شان وشوکت میں فرق آگیا، کوئی شبہ نہیں، مسلم لیگ کا، مسلم لیگی ارکان

کا، قائد اعظم کا، بلکہ صحیح تر الفاظ میں ملت اسلامیہ کا یہ بہت بڑا ہمت شکن، اور بڑا فیصلہ کن امتحان تھا ــــــــ اس امتحان میں فیل ہونے کے معنی یہ تھے کہ مسلم لیگ کا، مسلم قیادت کا اور مسلمانوں کی قابلیت وصلاحیت کا جنازہ نکل گیا۔

کانگرس کی چالاکی!

کانگرس یہ جانتی تھی کہ اس کے ارکان میں اور لیڈروں میں وہی لوگ ہیں جو اسٹیج اور پلیٹ فارم کی زندگی بسر کرتے آرہے ہیں وہ دوسرے محکموں کو تو کسی نہ کسی طرح سنبھال لے جا سکتے ہیں لیکن مالیات کا محکمہ نہیں سنبھال سکتے، ان میں اتنی ٹھوس قابلیت نہیں کہ وہ اس مشکل ترین منصب کو خوبی اور خوش اسلوبی، قابلیت اور صلاحیت کے ساتھ نباہ سکیں۔

چنانچہ کانگرس نے جیسے ہی عارضی حکومت (انٹیرم گورنمنٹ) کی تشکیل کی، اور عہدوں کی تقسیم شروع کی تو محکمۂ مالیات ایک غیر مسلم اور غیر کانگرسی شخص، یعنی سر جان متھائی انڈین کرسچین، کے سپرد کیا جنکے ماہر مالیات ہونے کا شہرہ تھا، اور جو اب تک ٹاٹا کے سب سے بڑے مشیر مالیات تھے، پھر جب یہ محکمہ مسلم لیگ کے ہاتھ سے نکل کر تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے بعد پھر کانگرس کے ہاتھ میں آیا تو اس مرتبہ بھی اس نے محکمۂ مالیات کا قلمدان کسی کانگرسی کے سپرد نہیں کیا بلکہ اس کی

نگاہ انتخاب، ایک دوسرے نائب، سر شان موکھم جیٹی پر پڑی، جو اپنی زندگی کے سارے دور میں نہ صرف یہ کہ کانگرسی نہیں رہے تھے بلکہ کانگرس کے بدترین مخالفوں میں ان کا شمار ہوتا رہا تھا۔

یہ شان موکھم جیٹی وہی تھے جن کے ماہر مالیات ہونے کا سب کو اعتراف تھا، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں تھی کہ ان کی قابلیت سے ہندستان کو ہمیشہ فائدہ پہونچنے کے بجائے نقصان ــــــــ اور وہ بھی سخت و شدید ــــــــ ہی پہونچا، شان موکھم جیٹی کی قابلیت، حب وطن اور مہارت کا شاہ کار "اوٹاوہ پیکیٹ"، تھا، یہ مالیاتی معاہدہ زبردستی ہندستان کے سر تھوپا گیا تھا، اور دوسرے ہندستان کو کروروں، اربوں روپے کا نقصان پہونچا تھا، اسی کارنامہ کی بنا پر موصوف مسٹر سے سر ہوے، مرکزی اسمبلی کے صدر بنے اور لارڈ ولنگڈن وائسرائے ہند کے متبنیٰ کہلاے، اس معاہدے کو اسمبلی میں نامنظور کرانے کے لئے کانگرس پارٹی نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا تھا اور اس معاملہ میں کانگرس کا شدید ترین اصولی اور بنیادی اختلاف کے باوجود جس نے ساتھ دیا تھا اس بدنام شخص کا نام تھا، محمد علی جناح، اور دوسرا بھاری بھرکم شخص جس نے کانگرس کا مخالف ہونے کے باوجود کانگرس کا ساتھ دیا تھا، وہ تھا دیوانۂ اسلام ــــــــ شوکت علی!

ہاں تو یہ شان موکھم جیٹی صاحب کانگرس کی نظر انتخاب پر

چڑھے اور اس منصب پر فائز ہوئے، جواہر لال، اور شان موکھم کا اتحاد بالکل بے بسی کا اتحاد تھا۔

میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا!

پھر جب ایک سنگین الزام کے ماتحت جواہر لال مجبور ہوئے کہ شان موکھم سے استعفیٰ طلب کریں تو پھر انھوں نے کانگرس کے حلقہ میں ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن

گلشن میں کہیں بوئے دم ساز نہیں آتی
اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی!

کانگرس کے حلقوں میں کوئی ایسا مرد خردمند نظر نہ آیا جو اس بار امانت کو اٹھا سکتا، آخر مجبور ہو کر پھر سر جان متھائی کو دعوت دی گئی کہ وہ یہ بار گراں اٹھائیں، ان سے یہ بار گراں نہ اٹھ سکا، اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانا، شیام پرشاد مکرجی کی مخالفت میں انھوں نے بھی استعفا دے دیا، اور اب پھر کانگرس کے حلقہ میں کسی مرد دانا کی تلاش شروع ہوئی، مگر وہی بات،

اسی باعث تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہوکر!

کانگرس اس منصب کے لئے پھر کسی کو پیش نہ کر سکی، آخر کار جواہر لال نے مجبور ہو کر، رزرو بینک آف انڈیا کے گورنر دیش مکھ سے استدعا کی کہ ملازمت ترک کر دیں اور وزارت کے حلقۂ زنداں میں شریک ہو جائیں، انھیں کیا عذر ہو سکتا تھا بمبئی سے اڑے اور دہلی پہونچ گئے۔

منزلِ عشق پے دور و دراز است و لے
طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے!

چنانچہ یہ جادۂ صد سالہ ایک نعرۂ مستانہ میں دیش مکھ صاحب نے طے کرلیا،

عجیب و غریب ریکارڈ!

غرض یہ عجیب و ریکارڈ کانگرس نے قائم کیا ہے کہ آزادی ہند کے بعد سے اب تک اسے اپنے حلقہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ملا، جو اس ذمہ داری کو انجام دے سکتا، ہمیشہ نگاہ انتخاب اغیار پر پڑی اور اغیار بھی وہ جن کا پس منظر وطن دشمنی اور سامراج پرستی کے سوا کچھ نہ تھا، اور جن کے حال میں بھی کوئی اصلاح کسی درجہ میں نہیں ہوئی تھی۔

قائد اعظم کا انتخاب!

اس پس منظر کی روشنی میں صحیح طور پر اندازہ ہو سکتا ہے کہ مالیات کا محکمہ جو مسلم لیگ کو پیش کیا گیا تھا، یہ درحقیقت ایک چیلنج تھا۔

قائد اعظم نے اس چیلنج کو حسب معمول ایک جاں نواز تبسم کے ساتھ قبول کرلیا!

قائد اعظم نے، لارڈ ویول کو اطلاع دی کہ مالیات کا محکمہ لیاقت علیخاں

کے سپرد کیا جائے، لارڈ ویول نے یہ تجویز قبول کر لی، اور لیاقت علی خاں غیر منقسم ہندستان کے پہلے ہندستانی فنانس منسٹر ہو گئے!

ردِّ عمل!

قائد اعظم کے اس انتخاب کا ردعمل بڑا دلچسپ تھا۔

جو لوگ مسلم لیگ کے قائد اعظم کے نظریۂ پاکستان کے مخالف تھے انھوں نے خوشی کی تالیاں بجائیں، اس سے بڑھ کر مسلم لیگ کو زک دینے کا کوئی موقع تو نہیں آ سکتا تھا۔ قائد اعظم بڑے ہوشیار بنتے تھے لیکن آخر جال میں پھنس گئے، لیاقت علی خاں کی ناکامی، قائد اعظم کی، مسلم لیگ کی، اور ساری ملت اسلامیہ کی ناکامی تھی، اور ان حضرات کو یقین تھا کہ یہ بدترین اور رسوا کن ناکامی رونما ہو کر رہے گی ——
لیاقت علی خاں اس گراں بار ذمہ داری کو کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ نہیں انجام دے سکتے۔

یہ ردعمل تو تھا مخالفین کا —— لیکن جو لوگ مسلم لیگ کے حامی تھے، قائد اعظم کے وفادار تھے، پاکستان کے کارکن اور سپاہی تھے، لیاقت علی خاں کے مداح اور قدر شناس تھے وہ بھی اس انتخاب کو حیرت اور تاسف کے ملے جلے جذبات سے دیکھ رہے تھے، ان کی دلی تمنا تھی کہ لیاقت علی خاں اس امتحان سے سرخرو ہو کر

لیکن ان کا دل اندر سے دھڑک رہا تھا، بہترین جذبۂ خیر سگالی کے باوجود انھیں شبہ تھا کہ لیاقت علی خاں، کامیاب ہو سکیں گے۔!

لیاقت کا پس منظر!

لیاقت علی خاں کا پس منظر بھی جہاں تک اس منصب کا تعلق ہے، ذرا بھی امید افزا نہیں تھا۔!

لیاقت علی خاں کی ساری پونجی اخلاص کے سوا کچھ نہ تھی ———— اور اخلاص و ذہن رسا، اور مہارت لازم و ملزوم نہیں ہیں۔!

لیاقت علی خاں کی ابتک کی ساری کارگذاریوں کا جائزہ لیجئے تو کیا نظر آئے گا؟ ———— ؟

یہ کہ بڑے مخلص اور شائستہ آدمی ہیں، یوپی کونسل کے نائب صدر (ڈپٹی پریسیڈنٹ) رہے، لیکن یہ کوئی ایسا منصب نہیں تھا جس کی محکمۂ مالیات تک رسائی ہوتی۔ یوپی کونسل کی ممبری کے زمانے میں ان کی جدوجہد زیادہ تر تعلیمی امور کی طرف رہی، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے، سوشل معاملات سے بھی دلچسپی رکھی لیکن نہ اتنی کہ ہندستان گیر شہرت اور اثر و رسوخ کے مالک بن جاتے، اب کچھ عرصہ سے آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری چلے آرہے تھے۔ اس سلسلہ میں بھی ان کی پوزیشن، قائد اعظم کے ایک وفادار لفٹنٹ سے

زیادہ نہ تھی، غرض تعلیمی، سوشل، اور سیاسی سرگرمیاں کسی درجہ میں
بھی آدمی کو ماہر مالیات نہیں بناتیں، لہذا کیسے سمجھ لیا جاتا کہ وہ
کامیاب وزیرِ مال ثابت ہوں گے؟ غلام محمد کی طرح ان کی حساب
دانی کا شہرہ نہیں تھا، زاہد حسین کی طرح وہ مسلمہ شہرت کے ماہر اقتصادیات
و مالیات نہیں تھے، اب تک کسی مالی کمیٹی کے ممبر بھی نہیں منتخب
ہوئے تھے۔

غرض سارا پس منظر دیکھ ڈالیے کہیں بھی تاریکی کے سوا امید
کی کرن نہیں دکھائی دیتی تھی، اندیشہ کی کارفرمائی جاری تھی۔!

اچانک ——!

امید و بیم کا یہ عالم جاری تھا کہ دفعتہً ۲۸ ر فروری ۱۹۴۷ء
کو لیاقت علی خاں نے نئی دلی کی مرکزی اسمبلی میں اپنی یادگار اور
زندہ جاوید "اشتراکی" اور "اسلامی" کا میزانیہ (بجٹ) پیش
کردیا، جیسے ہی یہ میزانیہ پبلک کے سامنے آیا، ایک شور مچ گیا——
داد و تحسین کا بھی، عناد و نفرین کا بھی!

بجٹ کا خلاصہ!

سب سے پہلے بجٹ پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے
حسب ذیل اعداد و شمار سے سال گذشتہ اور سال آئندہ

کے بجٹ کا اندازہ ہوگا۔

	۱۹۴۶-۴۷ء	۱۹۴۷-۴۸ء
آمدنی	۳۳۶،۱۹ کروڑ روپیہ	۳۷۹،۴۸ کروڑ روپیہ
خرچ	۳۸۱،۴۷ "	۳۴۲،۸۸ "
خسارہ	۴۵،۲۸ "	۴۶،۴۸ "

لیاقت علی خاں کی تقریر!

اپنے مترانیہ کو پیش کرتے ہوئے لیاقت علی خاں نے ایک معرکہ آرا تقریر کی، اس تقریر میں انھوں نے ان نکات کو واضح کیا جو اس بجٹ کو مرتب کرتے وقت ان کے ذہن میں تھے، جب تک ان نکات پر ایک سرسری نظر نہ ڈال لی جائے بجٹ کی افادیت اور اہمیت کا صحیح اندازہ ہی نہیں ہوسکتا۔

میری خاص طور پر یہ کوشش ہوگی کہ اس نمایاں فرق کو جو آج امیر طبقہ کے لوگوں اور بے شمار غریب عوام کی آمدنی اور معیار زندگی میں پایا جاتا ہے، زیادہ سے زیادہ امکانی حد تک کم کردیا جائے اور عوام کی فلاح و ترقی میں حتی الوسع مدد دی جائے۔

۲۔ ہمیں ان بھاری ذمہ داریوں کو نہیں بھولنا چاہئے جو اس امر کو یقینی بنانے کے سلسلے میں ہم پر عائد ہوتی ہیں کہ برطانوی ہاتھوں سے ہندوستانی ہاتھوں میں اختیارات کے منتقل اس کے ساتھ

عمل میں آئے اور جو آزادی کا مل ہو وہ بر جگہ کے تمام لوگوں کے لئے حقیقی آزادی ہو۔

۳۔ مستقبل کے آئین کے خدوخال کے متعلق کافی یقین حاصل کئے بغیر طویل مدت کا کوئی اقتصادی یا مالیاتی منصوبہ تیار کرنا آسان نہیں ہے تاہم آئینی مسئلہ کی کسی رنگ میں پیش بینی کئے بغیر ہم فوری اہمیت رکھنے والے اقتصادی مسائل کو حل کرنے کا کام جاری رکھیں گے۔

ہمیں افراط زر کے موجودہ رجحانات کو روکنا ہوگا اور اس امر کا انتظام کرنا ہوگا کہ جب تفریط زر کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوں جیسا کہ زود یا بدیر ان کا رونما ہونا ضروری ہے تو ہم روزگار اور پیداوار کے معیار کو برقرار رکھ سکیں۔

۴۔ حکومت ہند اور ملک معظم کی حکومت کے درمیان مالی مجھوتہ ۳۱ مارچ ۱۹۴۶ء کو ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد ہندستان جو کچھ دفاعی مصارف کے سلسلے میں صرف کرے گا وہ سب کا سب براہ راست حکومت ہند پر ڈالا جائے گا۔

۵۔ اسٹرلنگ تحویلات کے بارے میں ہندستان کا جو مطالبہ ملک معظم کی حکومت سے ہے اس پر ایسی کوئی بات اثر انداز نہیں ہوگی جس میں ان تکلیفوں اور ان قربانیوں کا جو اس ملک کو جنگ کے سالوں میں پیش کرنا پڑی ہیں اور ہمارے غریب اور فلاکت زدہ عوام کے اس خطرناک طور پر پست معیار زندگی کا پورا پورا لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔

۶- اگرچہ طویل مدت کے ان منصوبوں پر جنہیں عملی جامہ پہنانے کا کام مرکزی محکموں کے سپرد کیا گیا ہے ابھی صورت حال کے پیش نظر نظر ثانی کی ضرورت ہوگی، تاہم صوبائی طور پر علاقہ واری بنیاد پر ترقی کے کام میں مدد دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی، صوبوں کو ۴۵ کروڑ روپیہ کی ترقی کی گرانٹ اور ۳۲ کروڑ روپے کے قرضہ جات دینے کا بندوبست کیا گیا ہے، مرکزی حکومت نے قومی شاہراہوں کی تعمیر اور ان کی دیکھ بھال کے لئے مالی ذمہ داری اٹھانا منظور کر لیا ہے اور اس پر اپریل ۱۹۴۷ء سے عمل درآمد شروع ہو جائے گا، امید ہے کہ عنقریب دامودر ویلی کارپوریشن قائم کی جائے گی تاکہ دامودر اسکیم کی منصوبہ بندی کی جائے اس کی تعمیر اور اس کے نظم و نسق کا انتظام کیا جائے اور بعض بندوں کی تعمیر کا کام اگلے سال شروع کر دیا جائے گا۔

مالی حالت!

مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے ۱۹۴۶-۴۷ء کی مالی حالت اور محصول بندی کی موجودہ سطح کے مطابق ۱۹۴۷-۴۸ء کے بجٹ کے تخمینوں کی وضاحت ہوتی ہے۔

کروڑوں میں

	۱۹۴۶-۴۷ء	۱۹۴۷-۴۸ء
آمدنی	۳۳۶٫۱۹	۲۷۹٫۴۲
اخراجات	۳۸۱٫۴۷	۳۲۷٫۸۸
کمی	۴۵٫۲۸	۴۸٫۴۶

عام آدمی!

فنانس ممبر نے اپنی تقریر کے شروع میں عام آدمی کی حالت سدھارنے کی خواہش پر زور دیا۔

سیاسی صورت حال میں ان تغیرات کا ذکر کرتے ہوئے جن کا انجام ملک معظم کی حکومت کے ۲۰ر فروری والے اعلان کی صورت میں ظاہر ہوتا فنانس ممبر نے کہا۔

"یہ بہت اہم تغیرات ہیں، خاص کر ملک معظم کی حکومت کا وہ حالیہ بیان جس میں اس ارادہ کا اعلان کیا گیا ہے کہ کامل اختیارات ہندوستان کے باشندوں کو منتقل کر دیے جائیں گے، ان تمام تبدیلیوں کا واضح تصور جس کی طرف اس بیان میں اشارہ کیا گیا ہے قبل از وقت ہے لیکن اتنا تو یقینی ہے کہ مستقبل کی تشکیل کی ذمہ داری اب ہم پر عائد ہوتی ہے اور اس آزادی کے خیال سے جو ہماری منتظر ہے ہم خواہ کتنا ہی خوش ہو لیں لیکن ہمیں اس بھاری ذمہ داری کو نہ بھولنا چاہیے جو ہم پر اس ضمانت کے لئے عائد ہوتی ہے کہ برطانیہ کی طرف سے ہندستان کو اختیارات پر امن طور پر منتقل ہوں اور جو آزادی حاصل کی جائے وہ اس وسیع ذیلی براعظم کے تمام باشندوں کے لئے حقیقی آزادی کا درجہ رکھتی ہو۔

اقتصادی حالت!

تقریر جاری رکھتے ہوئے فنانس ممبر نے کہا، کمی زر کے رجحانات جنکے متعلق ایک وقت یہ امید تھی کہ وہ جنگ کے خاتمہ کے فوراً بعد ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے، نظر نہیں آئے۔ ابھی تک افراط زر موجود ہے اور قیمتیں بڑھی ہوئی ہیں، زمانہ جنگ میں روزمرہ کے استعمال کی چیزوں کی جو قلت تھی اس میں ابھی تک کوئی خاص فرق نہیں ہوا، بھاری مشینوں کے حصول میں ناگزیر تاخیر، مزدوروں کی بے اطمینانی اور نقل وحمل کی مشکلات کے باعث پیداوار میں رکاوٹ واقع ہوئی ہے، اس کے علاوہ خوراک کی صورت حال کے بارے میں برابر تشویش لگی رہی ہے۔

آئندہ آئین کے متعلق کچھ معلوم ہوئے بغیر طویل مدت کی کوئی اقتصادی یا مالی پلان تیار کرنا آسان نہیں۔

ملک معظم کی حکومت کے حالیہ اعلان کے پیش نظر لازمی ہے کہ آنیوالے سال میں شدید سیاسی سرگرمی نظر آئے گی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جب تک آئینی مسئلہ حل نہ ہو جائے ہم انتظاری کی حالت میں رہیں اور اس مسئلہ پر مخالفانہ اثر ڈالے بغیر ہیں۔

اس وسیع ذیلی براعظم کے فوری اقتصادی مسائل کے حل کرنے میں برابر کوشاں رہنا چاہیئے۔ افراط زر کے موجودہ رجحانات کو روکنا چاہئے اور روزگار اور پیداوار کو برقرار رکھنے کا بندوبست کرنا چاہیئے۔

مالی سال ۱۹۴۶-۴۷ء

سال رواں کے لئے آمدنی کا اندازہ ۱۹ء۳۳۶ کروڑ لگایا گیا ہے جو بجٹ سے بقدر ۲۶ء۲۹ کروڑ کے زیادہ ہے، توقع ہے کہ بحری محصول میں ۲۰ء۲۸ کروڑ روپیہ کا اضافہ ہوگا، جو ایک حد تک درآمد میں ترقی جائے، جوٹ اور روئی پر محصول سے حاصل ہوگا، مرکزی اکسائز سے ۸۰ء۴۴ کروڑ روپیہ وصول ہونے کی توقع ہے۔

اس کے مقابلہ میں بجٹ میں اس مد میں ۳۲ء۴۴ کروڑ روپیہ کا اندازہ تھا، بجٹ کے ۲۵ء۹۹ء۱ روپیہ کے اندازہ کے برعکس انکم ٹیکس سے ۷۵ء۱ کروڑ روپیہ وصول ہوں گے، ڈاک و تار کے محکمہ سے ۱۵ء۲۱ کروڑ روپے کی آمدنی ہوگی جو بجٹ کے اندازہ سے بقدر ۷۵ لاکھ روپے کے زیادہ ہے اور بجٹ کی ۳۳ء۸ کروڑ کی تخمینی بچت کے مقابلہ میں ۸۰ء۴ کروڑ کی خالص بچت ہوئی، جس کی وجہ یہ تھی کہ کاروباری اخراجات میں اضافہ ہوگیا ریلوے سے بجٹ کے تخمینہ کے مطابق ۲۶ء۷ کروڑ روپیہ کی امداد کی بجائے ۶۱ء۵ کروڑ روپیہ کے وصول ہوئے۔

جہاں تک دفاعی اخراجات کا تعلق ہے اخراجات سرمایہ سمیت نظر ثانی شدہ تخمینہ ۴۰ء۲۴۰ کروڑ کا ہے، اس مقابلہ میں بجٹ میں ۴۳ء۲۵۴ روپیہ کا تخمینہ لگایا گیا تھا، سبکدوشی کے آغاز سے ۱۹۴۶ء کے آخر تک فوج سے ۱۱۸۷۰۰۰ بحریہ سے ۲۰۰۰۰ اور ہوائیہ سے ۱۸۰۰۰ سپاہی سبکدوش کئے گئے

توقع ہے کہ مسلح فوجوں کو ملکی بنانے کی کمیٹی کے ذریعہ جو تمام دفاعی فوجوں میں غیر ہندستانیوں کی جگہ ہندستانیوں کو جلد سے جلد مقرر کرنے کے ذرائع معلوم کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہے ہندستان کی دفاعی بجٹ میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی۔

غیر فوجی تخمینے!

غیر فوجی اخراجات کا نظر ثانی شدہ تخمینہ ۱۴۳،۳۶ کرور روپیہ ہے، یہ رقم بجٹ کی رقم سے ۳۲،۳۵ کرور روپیہ زیادہ ہے، اسکی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ اجناس خوراک جو باہر سے درآمد کی گئی ہیں اس سلسلہ میں امدادی رقم دی جا رہی ہے اور اس کا اندازہ ۲۰،۱۰ کرور روپے ہے کم تنخواہ پانے والے عملہ کے لئے جو عبوری مراعات منظور ہوئی ہیں ان کا تخمینہ ۲ کرور روپیہ ہے، قبائلی علاقوں پر بڑھے ہوئے صرفہ کا اندازہ ۵۴/۱۳ کرور ہے، اور نیپال کو اس کی جنگی خدمات کے معاوضہ میں ۲/۱ کرور روپیہ دیا گیا ہے۔

مشرق میں جنگ کے اچانک ختم ہو جانے پر دو ایسے بڑے سوال سامنے آ گئے ہیں جن پر اسی وقت غور کرنا ضروری تھا مثلاً

(الف) جنگ سے متعلق سامان کے لئے مانگیں درپیش تھیں ان کی تنسیخ اور

(ب) ضروریات جنگ کے بجائے اب صنعت سے شہری ضروریات

کے پورا کرنے کا کام لینا۔

بنا بر ایں دو کمیٹیاں مقرر کی گئی ہیں جو مالی سال کے ختم ہونے سے پہلے مانگوں کی تخفیف کے کام کو مکمل کر دیں گی، دسمبر کے آخر تک ۵۰ کروڑ روپیہ کی مالیت کے معاہدے منسوخ کئے جا چکے ہیں۔

شہری رسد و صنعت کے محکمہ میں جس کی دوبارہ تشکیل ہوئی ہے ایک شعبۂ ترقی قائم کیا گیا ہے جس کا اولین کام یہ ہے کہ جنگی ضروریات کی پیداوار کی طرف سے شہری ضروریات کی طرف منتقل ہونے میں مدد دے اور صنعت کو ضروری ترجیحات حمل و نقل اور پیداوار کی دوسری آسائشیں بہم پہونچائے۔

ادھار پٹہ کے سلسلہ میں امریکہ سے جو معاہدہ ہوا ہے اس کی طرف مختصر سا اشارہ کرتے ہوئے فنانس ممبر نے ڈسپوزلز کے موضوع پر کہا۔

اس معاہدہ کی بنا پر جو فاضلات حاصل ہوئے ہیں ان کی تقسیم کے لئے سرگرم کوشش کی گئی ہے، ان فاضلات کی فروخت کی مجموعی قیمت ۵۰ ملین ڈالر سے بھی بڑھ جائے گی۔

ان امریکی فاضلات کے علاوہ دفاعی سروسوں کے پاس ذخیروں کی جو بڑی بڑی مقداریں موجود تھیں وہ بھی ان فاضلات میں شامل ہیں۔

ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے کہ ان فاضلات سے عہدہ برآ ہونے میں کسی قسم کی تاخیر نہ ہونے پائے۔

دفاعی سروسوں کی مانگوں کو پورا کرنے کے لئے جنگ کے دوران میں ۳۶ آرڈیننس اور دوسری فیکٹریاں قائم کی گئی ہیں، ان کا یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ۱۵ فیکٹریوں کو برقرار رکھا جائے، اور ان میں از سر نو ارتباط پیدا کر کے، انھیں زمانۂ امن کی ضروریات کے موافق کر دیا جائے اور اکیس فیکٹریوں کو جن میں اکثر کلورنگ، بارنس اور سیڈلری کی فیکٹریاں ہیں بند کر دیا جائے، یہ اس پالیسی کے تحت ہے کہ جنگی پیداوار کی صلاحیت کو شہری پیداوار کی صلاحیت کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

سال زیر تبصرہ کے جن دوسرے مسائل کا ذکر فنانس ممبر نے کیا وہ یہ تھے۔

کنٹرولوں کو نرم بنانا، ان میں سے اکثر کنٹرول یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء سے ہٹائے گئے۔ اور صرف کوئلہ، پارچہ جات، لوہا اور فولاد جیسی اشیا کے کنٹرول اور بعض ضروری کنٹرول مثلاً برآمدن و درآمدن اور ایکسچینج کے کنٹرول باقی رہ گئے۔

تنخواہوں کا مرکزی کمیشن سرکاری ملازموں کی شرائط ملازمت بالخصوص تنخواہوں کے پیمانوں اور معاوضوں کے معیاروں کی موزونیت کے متعلق تحقیقات کے لئے مقرر کیا گیا۔

کمیشن نے اپنا کام تقریباً مکمل کر لیا ہے اور اس کی سفارشوں کے بارے میں جلد سے جلد کارروائی کرنے کے لئے تدابیر اختیار کی گئی ہیں تنخواہوں کی شرحوں میں جن تبدیلیوں کا فیصلہ کیا جائے گا وہ یکم جنوری

۴۷ء سے نافذ کردی جائیں گی۔

محکمۂ مالیات کے تحت اشیا کی قیمتوں کا ایک بورڈ قائم کیا گیا ہے اس کے متعلق ممبر مالیات نے کہا کہ قیمتوں کا ایک صحیح اور درست نظام ملک کی اقتصادی حالت کی عمدگی کے لئے بے حد اہم ہے خصوصاً اس عبوری دور میں جو ہمہ گیر جنگ سے پیدا شدہ اقتصادی خلل اور تنزل کے بعد شروع ہوا ہے۔ بورڈ قیمتوں کی ایک موزوں اور یکساں پالیسی قائم کرنے اور اس پر عمل درآمد کرنے میں حکومت کی امداد دے گا۔

۴۸-۱۹۴۷ء کا مالی سال

اس کے بعد ممبر مالیات نے ۴۸-۱۹۴۷ء کے مالی سال کے متعلق اظہار خیالات کیا، محصول بندی کی بنیاد کے مطابق اس سال کی آمدنی کا تخمینہ ۴۲ء۲۷۹ کروڑ روپیہ اور اس کے مقابلہ میں سال رواں کی آمدنی کا تخمینہ ۱۹ء۳۳۶ کروڑ روپیہ ہے۔

کسٹم کے محصولوں کی آمدنی کا اندازہ ۸۹ کروڑ روپیہ ہے، یعنی سال رواں کے نظر ثانی شدہ تخمینہ سے بقدر ۱/۲-۱۲ کروڑ روپے زیادہ مرکزی محصول پیداوار (اکسائز) کے ذریعہ ۴۰ء۳۹ کروڑ روپیہ انکم ٹیکس کی آمدنی ۱۳۵ کروڑ روپیہ جس میں ۴۰ کروڑ کی وہ رقم بھی شامل ہے جو زائد منافع کے محصول کے بقائے کے سلسلہ میں وصول ہوئی اور وہ ۷ کروڑ روپیہ بھی شامل ہے جو مرکزی سرچارج کے بقائے کے طور پر وصول ہوا، کل قابل تقسیم

مجموعی آمدنی (پول) کا تخمینہ ۳۳، ۶، ۷ کروڑ روپیہ اور صوبائی حصہ کا تخمینہ ۳۵،۱۶ کروڑ روپیہ ہے۔

توقع ہے کہ ڈاک اور تار کے محکمہ کی آمدنی ۲۲،۳۰ کروڑ روپیہ اور محکمہ کو چلانے کے مصارف اور سود کی رقم ۹۸،۲۵ کروڑ روپے ہوں گے، اسطرح ۲۲،۴ کروڑ روپیہ کی خالص بچت ہوگی،

سال رواں کے خاتمہ پر محکمہ کی جمع شدہ بچت ۲/۱۸ کروڑ روپے ہو جائے گی۔ اور بجویز ہے کہ اسے (محکمہ کو) اس رقم پر سود کی واپسی (ریمبیٹ) دیجائے نہ کہ ایک کروڑ روپیہ کی رقم پر جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے۔

ریلوں سے جو رقم حاصل ہوگی اس کا تخمینہ ۵، ۷ کروڑ روپے ہے۔

دفاعی اخراجات

اگرچہ مسلح افواج کی عام سبکدوشی اور دفاعی سرد سوں کی زمانہ جنگ کی سرگرمیاں بند ہونے سے ۴۷-۱۹۴۶ء کے آخر تک ہم زمانہ امن کی حالت پھر بحال کرنے میں بہت کچھ آگے بڑھ چکے ہوں گے پھر بھی ۴۸-۱۹۴۷ء میں ہم جو حالات پیدا کر سکیں گے وہ بعض صورتوں میں معمولی حالات سے بہت کچھ جداگانہ ہوں گے۔

فوجوں سے اندازاً ۲،۰۰۰۰ آدمیوں کو سبکدوش کرنا باقی رہ جائے گا قبل اس کے کہ ہم سبکدوشی کی مقررہ عارضی حد تک پہونچیں، ہندستان کی بعد جنگ کی بری بحری اور ہوائی فوج کی طاقت اور ہیئت ترکیبی کے

سلسلہ میں اعلیٰ پالیسی کے متعدد غور طلب مسائل پیدا ہوتے ہیں جن پر اس وقت ہم سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں،

ہندستانی فوج میں برطانی افسروں کی بھرتی دوسری عالمگیر جنگ شروع ہونے کے بعد سے بند ہوگئی ہے، یہ پھر شروع نہ کی جائے گی اور فوج کو مکمل طور پر ملکی بنانے تک فوج کے برطانوی سروس کے افسروں کو آئندہ صرف کم مدت کی ملازمت کے لئے رکھا جائے گا۔

مالیاتی سمجھوتہ!

حکومت ہند اور ملک معظم کی حکومت کے درمیان مالیاتی سمجھوتہ کا ذکر کرتے ہوئے فنانس ممبر نے کہا۔

کہ یہ ۳۱ مارچ ۱۹۴۷ء کو ختم ہو جائے گا، یکم اپریل ۱۹۴۷ء سے ہندستان کا تمام دفاعی خرچ براہ راست ہندستان کے دفاعی تخمینوں سے لیا جائے، جیسا کہ جنگ سے قبل کیا جاتا تھا مگر ملک معظم کی حکومت سے ان ہندستانی فوجوں کے مصارف کے مطابق جن سے ہندستان کے باہر کا کام لیا جائے، نیز اس حکومت کو جو دیگر رسدیں اور خدمات فراہم کی جائیں، ان کے مطابق رقم لے لی جائے گی۔

دفاعی اخراجات کے سلسلہ میں ملک معظم کی حکومت سے قابل وصول رقم کے متعلق فنانس ممبر نے ان دشواریوں کا ذکر کیا جو ہندستان کی موجودہ حالت میں اس کا حساب کرنے میں ہوں گی، نیز اسی طرح

کے مصارف کے سلسلہ میں ہندستان کے اس جوابی مطالبہ کا ذکر کیا جو ہندستانی فوج کے اس عملہ سے متعلق ہے جسے ملک معظم کی حکومت نے سمندر پار رکھا ہے، ایک مزید دشواری دونوں حکومتوں کی ان باہمی ذمہ داریوں کی پیدا ہوتی ہے جن کا تعلق غیر موثر اخراجات سے ہے۔ ان کے متعلق جو سمجھوتہ ہے وہ بھی اصل مالیاتی سمجھوتہ کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔

اس مسئلہ پر ملک معظم کی حکومت کے ساتھ گفت و شنید ہوئی ہے اور متعلقہ مالیاتی مضمرات کے بڑے بڑے پہلوؤں کو جانچنے کے بعد یہ طے ہوا کہ ۴۸-۱۹۴۷ء میں متذکرہ بالا قسم کے تمام مطالبات اور ادائگیاں دونوں طرف سے ترک کر دی جائیں۔

میزانیہ کیا تھا؟

اب یہ بھی معلوم کر لیجئے، میزانیہ کیا تھا، کیسا تھا، اس کی کیفیت و کمیت کیا تھی۔

ذیل میں دہلی کے ایک سربرآوردہ روزنامہ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۴۷ء سے ہم کارروائی نقل کرتے ہیں، کارروائی نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ بجٹ ملک کی سنجیدہ صحافت نے کس اہتمام اور کس تشریح و تعبیر کے ساتھ اپنے قارئین کرام کے سامنے پیش کیا۔

نئی دہلی ۲۸ فروری ... میں قرآن مجید کی اس تعلیم پر ایمان رکھتا ہوں کہ دولت کو صرف دولت مندوں کے ہاتھوں میں محدود نہیں

رہنا چاہیئے اور قرآن پاک کے اس حکم کا پابند ہوں کہ دولت کو صرف چند ہاتھوں میں جمع کرنے سے روکا جائے۔ میں نے حتی الامکان اپنے مالیاتی میزانیہ کو ان ہی اصولوں پر مبنی کیا ہے۔"

یہ ہیں وہ الفاظ جو ہندوستان کے پہلے ہندوستانی اور پہلے مسلمان رکن مالیات مسٹر لیاقت علی خاں نے ۴۸-۱۹۴۷ء کا بجٹ پیش کرتے ہوئے کہے۔

ہندوستان کی عارضی حکومت کے مسلم لیگی رکن مالیات نے تاریخی اعلان کیا کہ نمک کا محصول ختم کیا جاتا ہے، اس محصول کو ختم کرنے کے لئے مسٹر گاندھی گذشتہ ۲۰ سال سے کوشاں تھے، لیکن کانگرس کے نامزد کردہ رکن مالیات مسٹر متھائی نے اس کو ختم کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی۔

نمک کا محصول ختم کرنے سے ہندوستان کے مالیات کو ۸ کروڑ سالانہ کا خسارہ ہوگا، لیکن رکن مالیات نے نہایت مہارت سے اس خسارہ کی خانہ پری کرلی۔

نمک کے محصول کو ختم کرنے ہی کا فعل شاہد ہے کہ مسلم لیگ عام انسانوں کی حالت بہتر بنانے کو اپنا فرض سمجھتی ہے۔

عام انسانوں کی فلاح و بہبود کا جذبہ ایک اور اقدام سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اب انکم ٹیکس صرف بڑی بڑی آمدنی والوں پر عائد ہوگا اور متوسط طبقہ کو اس کی زد سے بچا لیا گیا ہے یعنی ڈھائی ہزار سے زائد آمدنی والوں کو محصول آمدنی ادا کرنا ہوگا۔

نئے محاصل!

بجٹ کے مطابق تجارت میں ایک لاکھ روپیہ سے زائد منافع پر ۲۵ فی صد محصول لگایا جائے گا۔ اور کارپوریشن کا محصول ایک آنہ سے دو آنے کر دیا گیا ہے۔

بالواسطہ محصول کے لئے رکن مالیات نے چائے کی برآمد پر محصول لگایا اور ایک پونڈ پر دو آنے کے بجائے چار آنے محصول لگا دیا گیا۔

ان محاصل سے آمدنی ۹، ۳۹ کروڑ روپیہ کا اضافہ ہوگا اور خسارہ صرف ۶، ۱۶ کرور رہ جائے گا۔

تحقیقاتی کمیٹی!

رکن مالیات نے اعلان کیا کہ سرکاری اور غیر سرکاری ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی جائے گی جو خرچ میں کفایت کرنے اور فضول اخراجات کی روک تھام کرنے کے لئے مختلف سفارشات رکھے گی۔

اسٹاک مارکٹ میں سٹہ بازی کو روکنے کے لئے بھی تجویز رکھی گئی ہے، تاکہ اس قمار بازی کا سد باب ہو سکے۔

اہم نکات!

رکن مالیات کی تقریر کے بعض اہم نکات حسب ذیل ہیں:۔

ار میری ساری کوششیں اس پر مرکوز ہوں گی کہ میں دولت مندوں کے تموّل اور غریبوں کے مصائب و غربت کے درمیان جو زمین و آسمان کا فرق ہے اس کو دور کرنے کی حتی الامکان سعی کروں۔

ہمیں ان زبردست ذمہ داریوں کو فراموش نہ کرنا چاہیئے جو ہمارے کاندھوں پر ہیں، وہ یہ کہ انگریزوں سے ہندوستانیوں کے ہاتھوں پر امن طریقہ سے اقتدار منتقل کیا جائے، اور جو آزادی حاصل ہو وہ ہندوستان میں بسنے والے ہر فرقہ اور ہر قوم کی آزادی ہو۔

حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کے مالی معاہدے کی آخری تاریخ ۳۱ مارچ ۱۹۴۷ء ہے لہٰذا دفاع کے جو اخراجات ہندوستان میں ہوں گے وہ ان کے لئے واجب الادا ہوں گے۔

ہندوستان کا جو ذخیرۂ غذا انگلستان کے ذمہ ہے وہ پورا پورا ادا ہو گا۔ اس لئے کہ ہندوستان نے جو عظیم قربانیاں دی ہیں اُن کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

حلقہ وار منصوبہ بندی!

رکن مالیات نے خاص طور پر حلقہ واری منصوبہ بندی پر زور دیا، آپ نے کہا کہ اس بر کوچک کی ہموار ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے تمام حصے ایک ہی معاشی معیار پر آجائیں، اور وہ حصے جو پس ماندہ ہیں اُن کی خاص طور پر امداد کی جائے۔

رکن مالیات نے اس پر خاص طور سے زور دیا کہ مالیاتی موازنہ میں جو کچھ بھی آمدنی و خرچ بتایا گیا ہے، وہ روزمرہ کے نظم و نسق کو چلانے کے لئے ناگزیر ہے، اس میں کوئی غیر ضروری عنصر شامل نہیں۔

سرمایہ کی تحقیقات!

رکن مالیات نے اعلان کیا کہ جنگ کے زمانے میں لوگوں کے پاس کروروں روپے کا سرمایہ جمع ہو گیا ہے جس کا انکم ٹکس ادا نہیں ہوتا۔
اس سرمایہ کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا جو حکومت سے سفارش کرے گا کہ اس رویہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔

نمک کا محصول

رکن مالیات نے کہا کہ نمک انتہائی خام محصول کی چیز ہے اور اسپر محصول لگانے سے ملک کے غریب طبقہ پر خاص طور پر بار پڑتا ہے۔
اس کو اب تک اس بہانے سے نہیں ہٹایا گیا کہ اس سے ۸ کرور روپے سالانہ کی آمدنی تھی،
لیکن اب آمدنی کے دوسرے ذرائع ڈھونڈھ لئے ہیں لہذا اب اس کو ختم کیا جاتا ہے، لیکن نمک کی پیداوار کے معیار کو بلند رکھنے کے لئے اسپر خاص طور سے نگرانی رکھی جائے گی۔

بعد ازاں رکن مالیات نے بالراست محصول، تجارتی منافعوں پر محصول اور چائے کی برآمد پر محصول لگانے کی تشریح کی۔ اور آخر میں رکن مالیات نے عظیم مسائل کا ذکر کیا جن سے ہندستان دوچار ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کو انگریزوں سے پُرامن طور پر اقتدار حاصل کرنا ہے، آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کی سیاسی ترقی معاشرتی ترقی سے وابستہ ہے اور ہمارے کاندھوں پر نہایت ہی اہم ذمہ داریاں ہیں، اگر ہم عقل اور سمجھوتے سے کام لیں اور ایک منصفانہ اور باعزت سمجھوتہ کریں تو ہمارے فرائض بڑی حد تک پورے ہو جائیں گے۔

بجٹ پیش کرنے کے بعد رکن مالیات نے حسب ذیل چار مسودۂ قانون پیش کئے۔

۱۔ مالیاتی سال سن (اپریل ۱۹۴۷ء تا اپریل ۱۹۴۸ء) تک کے لئے مالیاتی موازنہ کا مسودۂ قانون۔

۲۔ قانون زائد منافع ۱۹۴۰ء میں ترمیم۔

۳۔ قانون انکم ٹکس ۱۹۲۲ء میں ترمیم۔

۴۔ آمدنی کی تحقیق کرانے کے لئے ایک کمیشن مقرر کرنے کا مسودۂ قانون۔

مدح و ذم!

جب مسٹر لیاقت علی خاں اسمبلی ہال میں داخل ہوئے ہر طرف امید و بیم کا ایک عجیب حال پیدا ہو گیا۔

مہمانوں کی نشستوں پر ہجوم تھا، اور بہت سے ممتاز افراد موجود تھے
جن میں حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
امریکہ کے سفیر مسٹر جارج میری۔ سفیر ایران مسٹر علی معتمدی، بیگم لیاقت علیخاں
قاضی محمد عیسیٰ ہز ہائی نس خان آف قلات۔

تالیوں کی گونج میں مسٹر لیاقت علی خاں بجٹ پیش کرنے کھڑے ہوئے اور نہایت ہی متین سنجیدہ اور مستحکم انداز میں اعلان کیا کہ امیروں کی امارت عیش و آرام اور غریبوں کی غربت فلاکت اور مصیبت کے درمیان جو زمین و آسمان کا فرق ہے اس کو حتی الوسع دور کرنے کی کوشش کروں گا۔

اپنی تقریر کا پہلا حصہ ختم کرنے کے بعد جب انھوں نے محاصل کا اعلان شروع کیا ہر طرف ایک سنسنی پھیل گئی، اور بار بار تالیاں بجا کر خیر مقدم کیا جا رہا تھا۔

پونے ۷ بجے ان کی تقریر ختم ہوئی اور ایوان کے ہر حصہ نے ان کو پُرتپاک مبارکباد دی۔
سر کاؤس جی جہانگیر نے سرمایہ داروں کے نقطۂ نگاہ کی ترجمانی کرتے ہوئے نئے محاصل پر سخت تشویش ظاہر کی اور کہا کہ اس سے صنعتوں کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔

بے بنیاد اندیشے!

لیکن مسٹر این ایم جوشی اور مس منی بن کارا نے جو وہیں موجود تھے

ان اندیشوں کو بے بنیاد قرار دے دیا اور کہا کہ انگلستان میں بھی اسی قسم کے محاصل عائد کئے گئے ہیں لیکن وہاں صنعت تباہ نہیں ہوئی۔

اس تجویز کا بھی ہر طرف سے خیر مقدم ہوا کہ جنگ کے دوران میں دولت کے بڑے بڑے ذخیرے افراد کے پاس جمع ہو گئے ہیں، ان کی جانچ کے لئے کمیشن مقرر کیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اقدام نہایت ہی دلیرانہ ہے اور اس سے بازاروں میں استقلال پیدا ہوگا۔

ایسوسی ایٹڈ پریس کی اطلاع!

مسٹر لیاقت علی خاں کے پہلے اشترا کی بجٹ کا حصہ شروع میں تو صرف چند ہی تمہیدی بیانات پر مشتمل تھا لیکن جب انھوں نے محاصل عائد کرنے کے متعلق تفصیلات بیان کرنا شروع کیں تو سارے ایوان میں سنسنی پھیل گئی۔

جب نمک کے محصول کو ختم کرنے کا اعلان ہوا ہر طرف سے تالیاں گونجنے لگیں اور مہمانوں کی نشستوں میں سے ایک صاحب تو اس قدر آپے سے باہر ہوئے کہ کھڑے ہو کر نعرے لگانے لگے اور ان کے حزب کے ایک صاحب نے اُن کو خاموش کیا۔

بجٹ کے متعلق مختلف قسم کی آراء کا اظہار کیا گیا، خواجہ ناظم الدین ڈپٹی لیڈر مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے اسے ,,غریبوں کا بجٹ،، قرار دیا۔

مسٹر امین خاں ڈپٹی اسپیکر نے خاص طور سے بڑی آمدنیوں پر

ٹیکس لگانے کا خیر مقدم کیا۔

مسٹر گڈگل (کانگریس) نے کہا "غریبوں کو ان کا حق ملتا ہے۔ اور امیروں کو ان کی قبر"

سرمایہ دار پریشان!

بمبئی کے کارخانہ دار سر کاؤس جی جہانگیر نے کہا "یہ بجٹ توقع سے کہیں زیادہ سخت ہے، اور اس کا ملک کی صنعت وتجارت پر کیا اثر پڑے گا، اندازہ لگانا مشکل ہے، لیکن میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں اس سے صنعت و حرفت کو ضرور نقصان پہونچے گا۔"

مسٹر ڈی لال للوبھائی "اب مالکان کارخانہ کو اپنے نفع کے ہر روپیہ میں سے نو آنے ٹیکس دینا ہوگا، صنعت و حرفت کی ترقی مسدود ہوگی لہذا حکومت کو صنعت و حرفت اپنے ذمہ لے لینا چاہیئے۔"

محمد اسمٰعیل خاں صاحب کا اظہار خیال

آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عمل کے صدر مسٹر محمد اسمٰعیل خاں نے کہا۔ "یہ پہلی مرتبہ ہے کہ غریبوں اور محنت کشوں کے مفاد کا بجٹ بنایا گیا، ایک ایسی حکومت سے جو کانگریس اور لیگ کے نمائندوں پر مشتمل ہو یہی توقع تھی۔

ڈاکٹر ضیاءالدین احمد سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

نے کہا۔ ”غریب اور متوسط طبقہ کے لوگوں کا فائدہ ہوگا، اور کروڑپتی اور لکھ پتی لوگوں کو محصول ادا کرنا ہوگا، میں اس بجٹ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔“

مس منی بن کارا (مزدور) ”میری توقعات سے کہیں زیادہ اچھا بجٹ، میں خوش ہوں کہ محاصل کا بار امیروں پر پڑے گا“

مسٹر سری پرکاش۔

جب فنانس ممبر نے کہا کہ ”میں نے اپنا کام کر دیا“، تو میں نے کہا ”بہت سوں کا کام تمام بھی ہوگیا“

سید غلام بھیک نیرنگ۔

”نہایت ہی اچھا بجٹ“

سردار ونچور کر۔

”متوسط طبقہ کے لوگوں کے لئے نہایت اچھا بجٹ ہے سرمایہ داروں کو ملک کی ترقی کے لئے روپیہ دینا ہوگا۔ میں اس بجٹ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔“

ڈالمیا کا اضطراب!

لیاقت کا یہ بجٹ ”غریبوں کا بجٹ“ کے نام سے مشہور خاص و عام ہوگیا، اس نے غریبوں کو سہولت دی، امیروں سے سہولت لی، غریب خوش ہوئے، امیر خفا ہوئے۔

بجٹ کے پبلک ہوتے ہی یکم مارچ ۱۹۴۷ء کو سیٹھ رام کرشن ڈالمیا نے ایک بپھرا ہوا بیان دیتے ہوئے فرمایا۔

"اس بجٹ سے ملک کے مفاد اور بالخصوص غربا اور اوسط طبقہ کے عوام کو سخت نقصان پہونچے گا۔

صنعتوں پر جو محاصل لگائے جائیں گے ان سے یقینی طور پر اوسط اور مزدور طبقہ اثر انداز ہوگا۔

اس سے موجودہ صنعت کی ترقی رک جائے گی، اس وقت ہندستانی صنعت اپنی ترقی کے ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے، یہ تجاویز اس کی بنیادوں کو کاٹ دیں گی اور ملک کے اقتصادی ڈھانچہ کو منتشر کر دیں گی اور اسطرح بعد از جنگ کی ان تمام اسکیموں پر پانی پھر جائے گا جو مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے مرتب کی ہیں اور یہ اسکیمیں صرف کاغذ ہی تک محدود رہیں گی مزید جب صنعتوں کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی، تو وہ ریاستوں کا رُخ کریں گی، صنعتوں پر جنھیں ملک کی اقتصادی حالت کو سدھارنا ہے محصول عائد کر کے غریب ہندستان غریب تر ہو جائے گا، اس سے ہماری صنعتوں کے مقابلہ میں غیر ملکیوں کو تقویت پہونچے گی، کیونکہ ہماری صنعتوں میں مقابلہ کرنے کی سکت نہ رہے گی اور اس طرح معیار زندگی خرید گھٹیا ہو جائے گا"

کانگریس کی مخالفت

اس میزانیہ کی سب سے اہم دفعہ یہ تھی کہ اس میں تجارتی منافع

پر محصول عائد کیا گیا تھا، برلا، ڈالمیا، سنگھانیا، ٹاٹا، اگر اس کی مخالفت کرتے تو ایک بات بھی تھی، اس لئے کہ یہ ضرب براہ راست ان کی شہ رگ پر پڑ رہی تھی لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کانگرس پارٹی بھی اس کی مخالفت میں پیش پیش تھی، شائد اس لئے کہ برلا اینڈ کمپنی سے اس کی گہری دوستی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس بجٹ کی اور تجارتی منافع پر محصول کی مخالفت کر کے کانگرس نے بڑی زبردست اخلاقی جرات کا ثبوت دیا، اب تک دنیا کے سامنے اس کی پوزیشن یہ تھی کہ وہ غریبوں کی دوست، عوام کی ہمدرد اور جنتا کی عاشق زار تھی، اب دنیا نے پہلی بار محسوس کیا کہ دولت مندوں اور سرمایہ داروں سے بھی اسکے خفیہ تعلقات نہایت مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہیں۔

کانگرس کا فیصلہ!

کانگرس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر لیاقت علی خاں، تجارتی منافع پر محصول کی شرح کم کرنے پر راضی نہ ہوئے تو اسمبلی کے بھرے اجلاس میں کانگرس پارٹی اس بجٹ کی مخالفت کرے گی، اور اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اسے مسترد کرا کے دم لے گی۔

لیاقت علی خاں اس رسوا کن صورت حال سے بچنا چاہتے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ عارضی حکومت کی ہانڈی یوں بیچ چوراہے پر پھوٹے

آخر اپنے رفقا سے صلاح و مشورہ کے بعد وہ اس پر راضی ہوئے کہ اس محصول میں کچھ تخفیف کر دیں۔

مصالحت کا ردِ عمل!

لیاقت علی خاں کی اس مصالحانہ روش پر ان لوگوں کو افسوس ہوا جو اس بیزانیہ کی افادیت کے قائل تھے، چنانچہ مرکزی اسمبلی میں اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے ایک سربرآوردہ رکن ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے ایک طویل تقریر کی اپنی اس تقریر کے دوران میں انھوں نے فرمایا۔

لیاقت علی خاں کے جھکنے پر افسوس!

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد (مسلم لیگ) نے فرمایا کہ جن لوگوں نے سلکٹ کمیٹی میں اقلیت کی رپورٹوں پر دستخط کئے ہیں ان کے لئے میرے دل میں احترام موجود ہے، لیکن اتفاق سے ایسا ہوا ہے کہ ان لوگوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ وہی ہیں جو ایوان ہائے تجارت نے ظاہر کئے ہیں، یعنی بنگال کے ایوان تجارت، بمبئی کے ایوان تجارت اور ایوان ہائے تجارت کی فیڈریشن نے۔

مجھے افسوس ہے کہ وزیر مالیات نے کابینہ میں اتفاق رائے حاصل کرنے کے لئے سمجھوتہ منظور کر لیا ہے۔

لیاقت کا اعلان!

لیاقت علی خاں نے اس سلسلہ میں مرکزی اسمبلی میں اعلان کیا۔ حکومت نے تمام معاملات پر غور کرنے کے بعد تجارتی نفع کے ٹکس میں حسب ذیل ترمیمیں منظور کرلی ہیں۔

تخفیف کے معاملہ میں ۱۵ اور ۶ فی صدی کے بجائے ۶ فی صدی ایک ہی رقم منظور کرلی گئی ہے اور محصول کی شرح کے سلسلہ میں ۵ فی صدی کے بجائے ۶ا فی صدی اور دو تہائی کو شرح تسلیم کرلیا گیا ہے۔ سرمایہ کے منافع کے سلسلہ میں حکومت اس ترمیم کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے کہ ذاتی سرمایہ اور سامان کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔ حکومت مجلس منتخبہ کی ترمیموں کو اور بعض ممبروں کے اختلافی نوٹوں پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ بل کی مدوں کے سلسلے میں ایوان میں شدید اختلاف رائے ہے۔

حکومت نے ایوان کے تمام طبقوں کی رائے حاصل کرنے کے لئے بعض ترمیمیں قبول کرنا منظور کرلیا ہے۔

اظہار رائے

لیاقت علیخاں کے اس مصالحت آمیز رویے کا مسلم لیگ پارٹی والوں کو صدمہ تھا، اور مخالفین اس سے کلی مطمئن نہیں تھے۔

چنانچہ لیاقت علیخاں کے اس بیان کے بعد ممبران اسمبلی نے ایوان میں جو اظہار خیال کیا اس کا کچھ حصہ ضرور اس قابل ہے کہ تاریخ کے صفحات پر مخفی نہ رہ جائے۔

پروفیسر رنگا نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ بجٹ کے سلسلہ میں حکومت میں اتفاق رائے ہوگیا ہے۔

انھوں نے کہا کہ کپڑوں کے کرگھے چلانے والوں، روئی اُگانے والوں اور گنے کے کاشت کاروں سے کوئی رعایت نہ ہونا افسوسناک ہے۔

پنڈت ٹھاکر داس نے کہا کہ صرف نمک کا محصول اڑا دینا کافی نہیں ہے، ہر شخص کو نمک بنانے کی اجازت دیدینی چاہیئے۔

مولوی تمیز الدین نے کہا کہ بجٹ کے سلسلہ میں جو مفاہمت ہوئی ہے میں اس سے خوش نہیں ہوں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکومت سرمایہ داروں کے سامنے جھک گئی ہے، مگر یہ بات خوشی کی ہے کہ حکومت نے مجموعی طور پر سرمایہ داروں کے سامنے سر جھکایا ہے، میں تمام ہندستان کے لئے ترقی کی اسکیمیں بنانے کے خلاف ہوں کیونکہ اگر کانگرس اور لیگ میں صلح نہ ہوئی تو نتیجہ تباہ کن نکلے گا۔

حافظ محمد عبداللہ نے کہا کہ بجٹ کے مخالف سرمایہ داروں کے پٹھو ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ وزیر مالیات نے اپنا بجٹ دو کانگرسی

ساتھیوں کے مشورے سے بنایا تھا۔
مجلس منتخبہ میں جو جھگڑا ہوا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کانگرس پارٹی میں تنظیم کی کمی ہے۔
مسٹر جلیشری نائی سن نے وزیر مالیات کو اس صبر و تحمل پر مبارک باد دی جس کا مظاہرہ انھوں نے مجلس منتخبہ میں کیا تھا، جو بجٹ میں ترمیمیں کر رہی تھی۔

جوابی تقریر!

موافق اور مخالف تقریریں سننے کے بعد لیاقت علی خاں نے ایک معرکہ آرا جوابی تقریر کی، یہ تقریر زبان و بیان، مغز و مفہوم ہر اعتبار سے ایک یادگار تقریر ہے، اس تقریر میں انھوں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے، انھوں نے اپنا مافی الضمیر جس خلوص، سچائی اور جوش صداقت کے ساتھ پیش کیا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ انھوں نے طنز کے تیر بھی چلائے ہیں اور لطف کی بارش بھی کی ہے لیکن نہ ان کے طنز میں نفرت ہے نہ اُن کے لطف میں چھچھوراپن ———— وقار ان کی زندگی کے ہر مرحلہ پر زیادہ بہترین رفیق اور دمساز تھا۔ اس مرحلہ پر بھی اس نے ساتھ نہیں چھوڑا، انھوں نے جو بات بھی کی ہے، وقار کا رنگ اس میں صاف جھلک رہا ہے۔ اس تقریر کے بعد ایوان نے بجٹ منظور کر لیا۔

پوری تقریر کے لئے یہ صفحات متحمل نہیں ہو سکتے، ضروری خلاصہ

درج ذیل ہے، اس خلاصہ میں ان دلچسپ اعتراضات کا بھی سراغ مل جائے گا جو آنریبل ممبران کی طرف سے وارد کئے گئے تھے۔

تقریر یہ ہے:۔

جب تک میں اپنے موجودہ عہدہ پر ہوں میں اپنا فرض اور یہ عہتماد ایمان داری سے ادا کروں گا مجھے جو اختیارات حاصل ہیں انھیں میں کسی فرقہ کو تباہ کرنے کے لئے استعمال نہ کروں گا کیونکہ میرے خیال میں ایک اعتماد اور ذمہ داری رکھنے والے کا یہ انتہائی غیر ایمان دارانہ فعل ہوگا۔

بجٹ کی تجویزیں محکمۂ مالیات کی نہیں بلکہ حکومت ہند کی ہیں کانگرس پارٹی کے آنریبل ممبروں نے مجھے مالیات کا عطائی کہا ہے اور میرے رفقا کی تمام خطائیں اور قصور میرے سر تھوپے ہیں۔ ایک صاحب نے میری تجویزوں کو کسی واقعی خرابی کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ناپسند کیا ہے کہ میں نے اپنی تقریر میں ہندستان کے لئے بھارت ماتا کے بجائے ذیلی براعظم کا لفظ استعمال کیا،

جناب والا، میرے آنریبل دوست مسٹر موہن لال سکسینہ نے مجھ پر بدنیتی کا الزام لگایا ہے کہ ان تجویزوں کو پیش کرنے سے میرا یہ منشا ہے کہ ملک کی اقتصادی زندگی خراب کر کے خود پاکستان میں جا بیٹھوں، آنریبل ممبر نے یہ نہ سوچا کہ اس وقت پورا ہندستان ایک ہی ہے اور اگر میں ہندستان کے ایک حصہ کو تباہ کروں تو یقیناً ہندستان کے دوسرے حصہ کو بھی تباہ کروں گا۔

اس کے علاوہ جناب والا،میرے آنریبل دوست مجھ سے اس لئے بھی خفا ہیں کہ میں نے نہیں بلکہ ملک کے باشندوں اور اخبارات کی کثیر تعداد نے اس بجٹ کو غریبوں کا بجٹ کہا ہے۔

اگر ملک کے باشندے اسے ایسا کہتے ہیں تو اس میں میری کیا خطا ہے۔اس کے علاوہ جناب والا، مجھے اس لئے موردالزام ٹھہرایا گیا ہے اور میری تجویزوں کی اس لئے مخالفت کی گئی کہ بکثرت لوگوں اور بہت سے اخباروں نے اسے سوشلسٹ بجٹ کہا۔

جناب والا، میں نے اپنے بجٹ کے لئے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا، میں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں نے یہ تجویزیں صرف خسارا پورا کرنے کے خیال سے نہیں بلکہ ایک خاص سماجی مقصد کو پیش نظر رکھ کر بنائی تھیں، مجھے افسوس ہے کہ میرے آنریبل دوستوں نے اسے تعصب کی نظروں سے دیکھا اور ان کو بجٹ میں کوئی خوبی نظر نہیں آئی۔

غریبوں کی بہتری!

غریبوں کی حالت سدھارنے کے لئے میں نے نمک کا محصول دور کر کے اور انکم ٹیکس کی ابتدائی حد بڑھا کر بالواسطہ ٹیکس میں بالترتیب نو کرور اور ۵۰ کرور کی کمی کردی ہے، اس کے علاوہ خوراک کی امدادیں ہیں جن کے لئے ۱۰ کرور ۲۵ لاکھ روپیہ رکھا گیا ہے۔صوبائی حکومتوں کو دینے کے لئے ۴۵ کرور رکھے گئے ہیں جو افسروں کی کثیر تعداد ملازم رکھنے

کے واسطے نہیں بلکہ عوام کو فائدہ پہونچانے، آب پاشی، تعلیم صحت عامہ طبی آسانیوں، "زیادہ خوراک پیدا کرو" کی مہم اور ذرائع رسل و رسائل کی ترقی کے لئے دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ صوبوں کو اسی مقصد کے لئے ۳۲ کروڑ روپے قرض دیئے جانے کی بھی تجویز ہے۔

مرکزی علاقوں میں "زیادہ خوراک پیدا کرو" کے مقصد کے واسطے ۲۷ لاکھ روپیہ اور قبائلی علاقوں میں اسپتال اور اسکول وغیرہ بنانے کے واسطے ۴ لاکھ روپیہ ریسرچ اسکیموں اور اداروں کے لئے جن کا نفع عوام کو حاصل ہوگا بہ تفصیل ذیل روپیہ رکھا گیا ہے، جنگلاتی تحقیقات کے واسطے ۲ کروڑ ۳۲ لاکھ تعلیمی اسکیموں کے واسطے ایک کروڑ ۴۲ لاکھ، طبی اسکیموں کے واسطے ۹۸ لاکھ، آب پاشی کی اسکیموں کے لئے ۷۰ لاکھ، آب پاشی کی تحقیقات کے ۱۲ لاکھ، برقی قوت کی ترقی کے لئے ۱۴ لاکھ۔ سائنسی عطیے ۹۸ لاکھ تا کہ زراعت کے واسطے زیادہ اور اچھی کھاد مل سکے، ترقی کے پراجکٹوں کی تعمیر کے لئے ۳ کروڑ ۲۵ لاکھ، کوئلہ کی کانوں کے مزدوروں کے مکانات کے لئے ۵۰ لاکھ۔ اس طرح سب ملا کر ایک ارب ۱۱ کروڑ ۷۰ لاکھ روپیہ ہوتا ہے۔

کیا کوئی بھی آنریبل ممبر سنجیدگی کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ بجٹ میں غریبوں کی حالت سدھارنے کے لئے کچھ نہیں۔ کاش میرے آنریبل دوستوں نے بجٹ پر اعتراضوں کی بوچھار کرنے سے پہلے اسے پڑھا بھی ہوتا۔

حکومت کی تجویزیں!

مجھے اُمید ہے کہ میری تجویزیں ملک کی صنعت کو تباہ نہیں کریں گی۔

اس موقعہ پر میں اپنے آنریبل دوست مسٹر سکسینہ کے ایک سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ وہ سوال یہ تھا کہ آیا یہ تجویزیں حکومت ہند کی ہیں یا محکمۂ مالیات کی۔

میں ان سے عرض کروں گا کہ بجٹ کی تجویزیں حکومت ہند کی تھیں اور ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ بلوں میں بعض تبدیلیاں کی گئی ہیں اس لئے ان میں اصل میں خامیاں تھیں اور وہ جلدی میں تیار کی گئی تھیں، بجائے اس کے کہ اس بات کی قدر کی جائے کہ میں نے اس ایوان کے ممبروں کی رائے کسی حد تک قبول کر لی مجھ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ صحیح طرز عمل کیوں اختیار کیا

یہ تجویزیں قبول کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ میں نے یہ محسوس کیا کہ ان تمام صنعتوں کے مزدوروں کی حالت بہتر بنانی بہت ضروری ہے اور اس لئے یہ خیال کیا کہ میں نے شروع میں صنعت سے جتنا روپیہ لینا سوچا تھا اگر اس میں سے کچھ چھوڑ دوں تو صنعتیں اسے غریب مزدوروں کی حالت سدھارنے پر صرف کرینگی

میرے آنریبل دوستوں سر کاؤس جی جہانگیر اور مسٹر دادی لال للو بھائی نے کہا ہے کہ ہندستان میں سپر ٹیکس کی شرح انگلستان کی شرح سے بڑھا دی گئی ہے۔ انگلستان میں انتہائی حد ۲۰۰۰ پونڈ اور ہندستان میں ۱۲۰۰۰ روپیہ ہے۔

اول تو یہ دیکھئے یہاں جس کی آمدنی ۱۲۰۰۰ روپیہ ہو اس کی زندگی

انگلستان کے ۲۰۰۰ پونڈ کی آمدنی والے شخص سے کہیں اچھی بسر ہوتی ہے

دوسرے یہ کہ انگلستان میں اوسط آدمی کی تنخواہ ۲۰ گنی یا تقریباً ۲۸۰ روپیہ ماہوار ہے اور ہندستان میں اوسط درجہ کا آدمی زیادہ سے زیادہ ۶۰ روپیہ ماہانہ تنخواہ پاتا ہے۔ اس حساب سے مجھے اس ملک میں انتہائی حد ۶۰۰۰ روپیہ رکھنی چاہیے تھی، اس لئے انگلستان کی ۲۰۰۰ پونڈ کی آمدنی سے اس کا مقابلہ کرنا بے سود ہے۔

ڈاکٹر دیش مکھ نے یہ فرمایا تھا کہ انگلستان کی طرح ٹیکس تو بڑھایا جا رہا ہے مگر سہولتیں نہیں مہیا کی جا رہی ہیں۔

اس کا جواب میں یہ عرض کروں گا کہ میں نے آمدنی کے نیچے کے درجوں میں ٹیکس نہیں بڑھایا ہے اور انھیں درجوں کے لئے سہولتیں ضروری تھیں۔

ممبران ایوان اس امر کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ تحقیقاتی کمیشن کے ارکان تجربہ، علم وفضل اور دیانت داری کے اعتبار سے بلند پایہ اشخاص ہوں، کیونکہ جب تک اس کمیشن کے ارکان ان اوصاف کے مالک نہ ہوں اس سے بجائے فائدے کے الٹا نقصان پہونچے گا۔ ہندستان میں یقیناً مندرجہ بالا اوصاف رکھنے والے اشخاص کی کمی نہیں۔

منصوبہ بندی کے متعلق جن معزز ارکان نے نکتہ چینی کی ہے۔ انھوں نے میرے نقطہ نظر کو نہیں سمجھا، ان حضرات کے دماغ پر پاکستان

کچھ اس طرح سوار ہوگیا ہے کہ انھیں مسلم لیگ کے ارکان کی ہر تقریر میں پاکستان ہی پاکستان نظر آتا ہے۔

منصوبہ بندی کا ذکر کرتے وقت مسلم اقلیت والے علاقے اور ہندو اکثریت والے علاقے میرے پیش نظر نہیں تھے۔ میں نے ملک کی اقتصادی علاقہ بندی کی بنیاد پر علاقہ وار منصوبہ بندی کا ذکر کیا تھا۔

افسوس ہے کہ بعض ارکان کو ان کی ہر تجویز میں پاکستان نظر آتا ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں جب تک میں فنانس ممبر کے عہدے پر ہوں میں اپنے فرائض کو کمال دیانت داری اور غیر جانب داری کے ساتھ انجام دوں گا۔

آمدنی کے تخمینے اور فساد زدگان کو مالی امداد

آمدنی کے تخمینوں کے متعلق بعض ارکان کے قول کے برعکس مجھے یقین ہے کہ جو اعداد و شمار بجٹ میں دیے گئے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں البتہ غیر زرعی املاک کا ٹیکس چونکہ نیا ٹیکس ہے اور پہلی مرتبہ لگایا جارہا ہے اس کے متعلق ہمارے پاس کوئی صحیح اعداد و شمار موجود نہیں لیکن دو تین سال گزرنے پر معلوم ہوجائے گا کہ اس ٹیکس سے کتنی آمدنی ہوتی ہے۔

جن لوگوں نے فرقہ وار فسادات میں نقصان اٹھایا ہے اگر کوئی

صوبائی حکومت ان لوگوں کی بحالی کے لئے مرکز سے امداد طلب کریگی تو حکومت ان درخواستوں پر ہمدردی سے غور کرے گی اور حسب ضرورت فیصلہ کرے گی۔

زائد منافع اور تجارتی منافع کے محصولوں میں فرق

اب زائد منافع کے محصول کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ کارخانہ دار کہتے ہیں کہ زائد منافع کے محصول کے ذریعہ آپ کو زیادہ روپیہ مل سکتا تھا لیکن آپ اس قدر بے وقوف ہیں کہ آپ نے زیادہ روپیہ حاصل نہیں کیا اور تجارتی منافع کا محصول لگانے پر اصرار کیا۔ (اس محصول کے سلسلہ میں) میرا ابتدائی تخمینہ ۲۰ کروڑ روپیہ کا تھا، اگر اس بار کی وجہ سے صنعت تباہ ہو سکتی تھی تو زائد منافع کے محصول کی وجہ سے جس کے ذریعہ بہت زیادہ رقم وصول ہوتی صنعت زیادہ تباہ ہو جاتی۔

کہا گیا ہے کہ مجھے آئندہ تین یا چار سال کے لئے بجٹ تیار کرنا چاہیئے تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ آئندہ دو یا تین سال کے لئے بجٹ تیار کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔

لیکن میرے آنریبل دوستوں کو یہ بات تسلیم کرنی چاہیئے کہ شتر مرغ کی طرح اپنا منہ ریت میں چھپا کر ہمیں یہ نہ کہنا چاہیئے کہ کوئی خسارہ نہیں ہوا۔

ملک معظم کی حکومت کے ۲۰ فروری والے بیان کی وجہ سے اس

ملک کی آئندہ سیاسی حیثیت میں ایک زبردست تبدیلی واقع ہو گئی ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ میں پہلے سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا کہ آئندہ دو یا تین برسوں میں کیا کچھ ہو گا تو یہ بے وقوفی ہوتی۔ ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ ایک بات یقینی ہے —— خواہ میں متحدہ ہندوستان کا حامی ہوں، خواہ تقسیم ہندوستان کا —— اور وہ یہ کہ حکومت ہند آئندہ اس شکل میں باقی نہیں رہے گی جس میں کہ وہ اس وقت ہے۔ لہٰذا یہ میری بے وقوفی ہوتی اگر میں اپنا بجٹ دو یا تین سال کے لئے تیار کرتا اور ان لوگوں سے اس وقت جبکہ ان کے پاس روپیہ موجود ہے زیادہ روپیہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتا۔

انکم ٹیکس اور ترغیب کار

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انکم ٹیکس پر میری تجویز کا یہ اثر پڑے گا کہ کارخانہ داروں کے لئے کام کی کوئی ترغیب نہیں رہے گی اور بڑے کارخانہ دار اپنا کام دل و جان سے نہیں کریں گے جس کی وجہ سے پیداوار کو نقصان پہونچے گا۔

میرا یہ خیال نہیں کہ سارے کارخانے دار بڑے ہیں، اس محصول سے ظاہر ہو جائے گا کہ کون لوگ حقیقۃً محب وطن ہیں اور کون نہیں ہیں۔ جو لوگ محض روپیہ کے لئے کام کرتے ہیں وہ پریشان ہو سکتے

ہیں لیکن جو لوگ ملک کی بھلائی اور اس کی اقتصادی ترقی کے لئے کام کر رہے ہیں وہ بدستور سرگرمی کے ساتھ کام کرتے رہیں گے۔ کام کرنے کی ترغیب بھی کافی رہے گی اور ہر شخص کو کام کرنا ہوگا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کارخانہ دار اپنا روپیہ سرکاری تمسکات میں لگا دیں گے اور کام نہ کریں گے تو حکومت کو صنعتی کارخانے خود چلانے پڑیں گے، لیکن میری سمجھ میں یہ منطق نہیں آتی کہ حکومت کیوں ایسا نہیں کر سکتی۔

ٹیکس سے بچنے کو ہر ممکن طریقے سے روکا جائے گا کیونکہ جو لوگ ٹیکس ادا کرنے سے بچتے ہیں وہ اس غریب فاقہ کش کی نسبت زیادہ بڑے مجرم ہیں جو اپنے بیوی بچوں کا پیٹ بھرنے کی خاطر چوری کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

جو شخص ملک کو فریب دیتا ہے وہ سماج کا مجرم ہے اور معاشی نظام کے لئے خطرناک ہے۔ جب تک لوگوں میں یہ احساس پیدا نہ ہوگا اس قماش کے لوگ بددیانتی سے باز نہ آئیں گے۔

جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ سب اہم امور میری تقریر میں آ چکے ہیں۔ میں پھر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے یقین ہے میں نے محصول بندی کی جو تجویزیں پیش کی ہیں ان سے صنعت کو کسی صورت میں بھی نقصان نہیں پہونچے گا۔ مجھے یقین ہے کہ کتابوں اور ماہرین اقتصادیات کے نظریات کچھ ہوں، محصول بندی کے بارے میں

انھوں نے جو پالیسی اختیار کی ہے وہ اس ملک کے لئے صحیح پالیسی ہے اور یہ پالیسی ہے سماجی انصاف کا قیام۔ میں اس جملہ کو پھر دہراتا ہوں میرے آنریبل دوست مسٹر گرفتھس نے کہا ہے کہ سماجی انصاف کی کوئی باقاعدہ اور جامع تعریف موجود نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی ایسی تعریف ہو بھی نہیں سکتی۔

سماجی انصاف متعدد امور پر مبنی ہے۔ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس شدید مالی تفاوت کو دور کیا جائے جو اس ملک میں پایا جاتا ہے اور اس فرق کو دور کرنے کے دو طریقے ہیں۔

ایک طرف غریبوں کے معیار کو بلند کیا جائے اور دوسری طرف امیروں کے معیار کو نیچے لایا جائے۔

میں نے بھی یہی کہا ہے، میں پھر کہوں گا کہ محصول بندی کے معاملہ میں حکومت کا یہ نقطۂ نگاہ نہیں ہونا چاہئے کہ بجٹ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اس قدر روپے کی ضرورت ہے بلکہ حکومت کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ملک کے اقتصادی نظام کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہونچائے بغیر محصول اس حد تک لگایا جائے کہ لوگ اسے برداشت کر سکیں۔

جناب والا! میں نے یہی کیا ہے، مجھے پوری امید ہے کہ ایوان میری تحریک کو منظور کر لے گا۔

باب ۸

پاکستان بن گیا

خون کا ایک چھوٹا دریا!

آخر کار پاکستان عالم وجود میں آگیا، !——— !

دنیا میں سب سے بڑی مسلمان حکومت، !——— !

حوریاں رقص کناں ساغر مستانہ زدند!

وہ بات جو کل تک ناممکن سمجھی جاتی تھی آج ممکن ہو گئی، جسے ناقابل عمل سمجھا جاتا تھا اس نے عمل کا لباس پہن لیا، جس تصور کا مذاق اڑایا جاتا تھا وہ حقیقت بن گیا جس تحریک کو چند سرپھروں اور آشفتہ مزاجوں کا نعرۂ مستانہ سمجھا جاتا تھا وہ ایک بڑے ملک کے قالب میں ڈھل گئی

سیاسیات عالم کا یہ اتنا بڑا معجزہ تھا جس کی نظیر جب سے تاریخ عالم وجود میں آئی ہے آج تک نہیں مل سکی۔

غلامی سے آزادی تک!

دنیا کی تاریخ پر ایک نظر ڈالئے،!

ہر دور میں یہ نظر آئے گا کہ کمزوروں پر زور آوروں نے اپنی سلطانی کا دام پھینکا، اور انھیں اسیر کر لیا، اور ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی نظر آئے گی کہ کمزوروں اور غلاموں کو جب یہ احساس ہوا کہ وہ کمزور ہیں، غلام ہیں، استبداد کے شکنجہ میں کسے ہوئے ہیں، قہرمانیت کے جال میں گرفتار ہیں، اپنے ضمیر کے مطابق کام نہیں کر سکتے، اپنے دل و دماغ کی رہنمائی میں قدم نہیں بڑھا سکتے، اپنی نیند سو نہیں سکتے۔ اپنی مرضی سے بیدار نہیں ہو سکتے اپنی ملی، قومی، وطنی اور تجارتی معاملات میں دخل نہیں دے سکتے، سکہ غیروں کا چلتا ہے، حکم غیروں کا مانا جاتا ہے، حکومت غیروں کے ہاتھ میں ہے، تجارت، صنعت و حرفت اور کاروبار پر غیروں کا قبضہ ہے، تو وہ انگڑائی لے کر اٹھے، اور استبداد و قہرمانیت کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

دنیا کی کوئی قوم اس وقت تک آزاد نہیں ہوتی جب تک وہ خون کے سمندر میں نہیں نہاتی، آزادی کی دیوی کے درشن اسوقت

نہیں ہوئے، جب تک خطا کاروں اور بے گناہوں کے خون سے یہ قطعۂ ارض رنگین قبا نہیں ہو گیا۔

چند تاریخی مثالیں!

امریکہ نے، برطانیہ کی قیصریت کے خلاف جہاد کیا، اور خون کے سمندر میں غوطہ لگانے کے بعد عروس حریت سے ہم کناری حاصل کی اور آئرلینڈ نے برطانوی شہنشاہیت کے خلاف مورچہ قائم کیا اور اس وقت تک حصول مقصد میں کامیابی نہیں حاصل کی، جب تک وطن عزیز کی سرزمین خون شہیداں سے لالہ زار نہ ہو گئی۔ انگریزوں نے شخصی استبداد اور مطلق العنانیت کے بجائے جمہوریت کو فروغ دینا چاہا، اور اس وقت تک فروغ نہ دے سکے، جب تک قصر شاہنشاہی اور کلیسۂ احزان میں خون کی ندیاں نہ بہ گئیں، فرانس نے آزادی کا پرچم بلند کیا، اور اس پرچم کو بلند رکھنے کی سکت اس وقت تک اس میں نہیں پیدا ہوئی جب تک اسکے بے شمار حریت پسند اور آزادی خواہ پھانسی پر نہ لٹکائے گئے، روس کے عوام نے شورائیہ حکومت قائم کرنی چاہی اور زار کی سفاکی، اور قساوت کے مقابلہ میں ایک چٹان کی طرح جم گئے، لیکن، شورائیہ (سوویت) کے قائم ہونے، اور زار کے ختم ہونے میں جو وقت صرف ہوا، یہ سوائے خون ریزی، قتل و غارت

اور خوں آشامی کی داستان خونیں کے اور کیا ہے؟ ترکوں نے ایک خاندان کی حکومت قبول کرنے سے انکار کیا، اور چاہا کہ حکومت عوام کی رائے سے بنے، اس مقصد کو وہ اس وقت تک حاصل نہ کرسکے جب تک آبنائے باسفورس کا رنگ سرخ نہ ہوگیا، ایران نے فرنگی ستم کاریوں، روسی فریب کاریوں اور خود اپنے بادشاہ جم جاہ کی دراز دستیوں کا مقابلہ کیا اور ایک نئی اور آزاد حکومت قائم کی، لیکن کس طرح؟ اس طرح کہ بھائی نے بھائی کے خلاف، دوست نے دوست کے خلاف، باپ نے بیٹے کے خلاف، اور بیٹے نے باپ کے خلاف تلوار اٹھائی اور تلوار میان میں اس وقت گئی، جب اس کی زبان تازہ، گرم، اور سرخ خون چاٹتے چاٹتے تھک گئی۔

تاریخ آزادی ہند!

خود ہندستان کی تاریخ آزادی پر ایک نظر ڈالئے!

یہ تاریخ ۱۸۵۷ء سے شروع ہوتی ہے، جب ہندستان کا آخری مغل بادشاہ "بغاوت" کے الزام میں گرفتار ہوا اور ایک غیر ملکی حکومت نے اس الزام کو صحیح پا کر اسے رنگون میں جلاوطن کردیا۔

بہادر شاہ کے بعد استخلاص وطن کے لئے بڑے بڑے علماء اور صلحاء

اٹھے۔ ان میں سے کسی نے پھانسی پائی، کوئی کالے پانی بھیجا گیا، کسی کی جائداد، املاک کی ضبطی کا فرمان صادر ہوا، کسی نے علاقۂ آزاد میں پہونچ کر پناہ پائی، انگریزوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کی امداد واعانت کے بغیر، بلکہ مخالفت اور مخاصمت کے باوجود، مسلمانوں نے جس جوش وخروش، استقلال واستقامت، عزم وحوصلہ، اور ثبات وتہور کے ساتھ مجاہدہ کیا، وہ ہندستان کی تاریخ کا ایسا صفحہ ہے، جو اگرچہ تاریخ کا ناقابل فراموش جزو ہے، لیکن ہندوؤں نے اسے کبھی یاد نہیں رکھا، یہ چاہا کہ دنیا بھی اسے یاد نہ رکھے، بھول جائے فراموش کردے۔

آخر گاندھی جی اور علی برادران کے اشتراک واتحاد نے، تحریک آزادی ہند کو ایک نئی زندگی عطا کی، یہ تحریک اٹھی اور اس زور شور سے اٹھی کہ آج تک ہندستان کے درودیوار ان نعروں سے گونج رہے ہیں جو آزادی کے متوالوں نے لگائے تھے۔

آخری دور وہ آیا جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی اور بین الاقوامی سیاست نے ایسا پلٹا کھایا کہ انگریز بھی ہندستان کی تحریک آزادی کا دباؤ مانتے، اور بالآخر ہندستان کو آزاد کردینے پر مجبور ہو گئے۔

روز روشن کی طرح!

اس نوے برس کے طویل دور میں جو ۱۸۵۷ء سے شروع ہوا

اور ۱۹۴۷ء میں ختم ہوا، یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح اور نمایاں نظر آئے گی کہ جب کبھی بھی آزادی کے متوالوں اور حریت کے دیوانوں نے استقلال کا نعرہ لگایا، استعمار اپنے تمام حربوں سے مسلح ہو کر اس کے مقابلہ میں ڈٹ گیا۔

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

نہتوں پر گولیاں چلائی گئیں، بے گناہوں پر لاٹھی چارج کیا گیا، عورتوں پر تشدد کیا گیا، بچوں تک کو ہدف ستم بنایا گیا، امرتسر کا جلیانوالا باغ برطانوی قہرمانیت اور استبداد کا آخری شاہکار ہے، جہاں جنرل اوڈائر نے نہتے ہندوؤں، مسلمانوں، اور سکھوں پر اندھا دھند گولیاں چلائی تھیں، اور بھاگنے کا راستہ بند کر کے بہت سے آدمیوں کی آن کی آن میں جان لے لی تھی، یہ صحیح ہے کہ ہندوستان نے دوسرے آزاد ممالک کے مقابلہ میں کم قربانیاں پیش کیں، پھر بھی یہ نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں اس کا نامۂ اعمال بالکل سادہ ہو۔

اور پاکستان — ؟

لیکن پاکستان بغیر کسی خونریزی، بغیر سول وار کے، بغیر کسی تشدد کے عالم وجود میں آ گیا!

یہ امتیاز صرف پاکستان کو حاصل ہوا کہ وہ امن و امان کے

ساتھ، دنیا کے نئے نقشہ پر نمودار ہوا، حالانکہ اپنے مصالح کے پیش نظر انگریز بھی اس کے مخالف تھے، ہندو مہاسبھا بھی، کانگرس بھی، راشٹریہ سیوک سنگھ بھی اور چند بعض مسلمان لیڈر، اور مسلمان ادارے بھی۔

اس تحریک کی قیادت اگر کسی غیر متوازن قائد کے ہاتھ میں ہوتی تو خون بھی بہتا اور کامیابی بھی نہ ہوتی، لیکن اس تحریک کی زمام قیادت قائداعظم کے ہاتھ میں تھی، جو اپنی ملت کا سفینۂ حیات مخالف موجوں سے اٹھکھیلیاں کرتا، پُرشور لہروں کا مقابلہ کرتا، تند اور تیز بادِ مخالف کے وار سہتا، پرخروش طوفانوں کے ہچکولوں سے لڑتا، پتوار چلاتا رہا۔ اپنی کشتی کھیتا رہا اور بالآخر ساحل مراد تک پہونچ گیا، قیادت کا یہ اتنا بڑا کمال تھا، جس کی مثال ملنا مشکل ہے، لیکن یہ حیرت انگیز واقعہ رونما ہو کر رہا۔

آثار قیامت!

جب پاکستان بنا، یعنی ہندوستان تقسیم ہوا تو کانگرس نے یہ سوال اٹھایا کہ بنگال و پنجاب کی تقسیم بھی عمل میں آئے، یعنی غیر مسلم اکثریت کے علاقے، ہندوستان میں ضم ہو جائیں اور مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں۔

اصولی اعتبار سے یہ تجویز بالکل ناقابل قبول تھی، لیکن اُستاد فر مگ

نے اسے تسلیم کر لیا، پنجاب اور بنگال کے دو ٹکڑے کر دیے گئے اگر پنجاب اور بنگال پر عمل جراحی نہ کیا جاتا تو وہ خون خرابہ اور قتل عام نہ ہوتا جس نے انسانیت کی بنیادیں ہلا دیں، توازن قائم رہتا، لیکن اس ضمنی تقسیم نے اس توازن کو ختم کر دیا، ساتھ ہی ساتھ دوسری بہت بڑی غلطی یہ ہوئی کہ مشرقی پنجاب کی صوبائی سول سروس کے ملازموں کو بھی پاکستان بھیج دیا گیا، اب پولیس فوج اور سارا عملہ یا ہندو تھا یا سکھ، مسلمان عوام کا معین و مددگار ہمدرد اور غمگسار کوئی نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے قتل و غارت کا سلسلہ شروع ہو گیا، لیکن احتیاط کے ساتھ۔

احتیاط اس لئے برتی گئی کہ حد بندی کمیشن کا فیصلہ ابھی تک صادر نہیں ہوا تھا، متعدد اضلاع اور متعدد تحصیلوں کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان کا الحاق پاکستان کے ساتھ رہے گا یا ہندوستان کے ساتھ۔

بہترین موقع!

لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے گورنر جنرل تھے، وہ اس بات پر برہم تھے کہ انھیں ہندوستان و پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل کیوں نہیں بنایا گیا، ہندوؤں کے شرانگیز عناصر پہلے سے خار کھائے بیٹھے تھے کہ مسلمانوں کا قلع قمع کر دیا جائے اب انھیں شہ مل گئی

سردار عبدالرب نشتر، راجہ غضنفر علی خاں اور مسٹر غلام محمد اپنے متعدد بیانات میں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کی ذمہ داری لارڈ ماؤنٹ بیٹن پر عائد کر چکے ہیں، انھوں نے آثار قیامت دیکھ لئے تھے، محسوس کر لیا تھا کیا ہونے والا ہے، غضنفر علی اور نشتر نے بارہا ماؤنٹ بیٹن کو توجہ دلائی، لیکن وہ سنی کو ان سنی کرتے رہے یہاں تک کہ انگلستان سے ریڈ کلف صاحب تشریف لے آئے۔ انھیں ثالث مان لیا گیا، کہ یہ جو فیصلہ کر دیں گے وہ قبول کر لیا جائے گا، مسلمانوں کو اطمینان تھا کہ وہ صرف اپنی اکثریت کے علاقے چاہتے ہیں، وہ مل جائیں گے۔ اور ہندو خوش تھے کہ اب وہ مسلم اکثریت کے علاقوں پر بھی ہاتھ صاف کر سکیں گے، انھیں یقین تھا ریڈ کلف وہی کرے گا جو وہ چاہیں گے، وہ ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا،

ریڈ کلف اور ماؤنٹ بیٹن کو مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی تھی، مسلمان قوم سے انھیں کوئی توقع نہیں تھی۔ پاکستان کی گورنر جنرل شپ کا چارج دیتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے قائد اعظم کو مشورہ دیا تھا کہ وہ شہنشاہ اکبر کے نقش قدم پر چلیں جس کی بے تعصبی اور رواداری ضرب المثل ہے، لیکن قائد اعظم نے اپنی جوابی تقریر میں وہیں دربار ہال میں کہہ دیا تھا، میں اکبر کے نقش قدم پر نہیں اُن مسلمان خلفا کے نقش قدم پر چلوں گا، جن کے کارنامہائے حیات

آج بھی فلاحِ انسانیت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہیں، قائدِ اعظم کے اس اعلان نے، ریڈکلف اور ماؤنٹ بیٹن کو بالکل خاموش کر دیا،

لیکن ابھی ——— !

لیکن ابھی موقع تھا!

ابھی سرحدات کا تعین فرنگی شاعر کے ہاتھ میں تھا

اور اس سے دردو سوز کے عالم میں اس کا مشیر کہہ رہا تھا،

میرے آقا وہ جہاں زیر وزبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیاست پر مدار

اور وہ تن کے جواب دے رہا تھا،

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں کیا مہر و مہ کیا آسمانِ تو بتو!
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشہ غرب و شرق
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک "ہو"

اور پھر اس تعلی اور انانیت کا نعرۂ مستانہ لگانے کے بعد اس نے کہا۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

خال خال اس قوم میں ابتک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

اور پھر اُسنے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

مگر۔

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!
الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

نشترِ فصاد!

فکر و عمل کے اس انقلاب کو روکنے کی اس سے بہتر کوئی اور تدبیر نہیں تھی، کہ اس نوزائیدہ اسلامی مملکت کو حقیقت کے ایسے بھنور میں پھنسا دیا جائے کہ جان کے لالے پڑ جائیں، جب وہ موت و زیست کی کشمکش میں گرفتار ہو جائے گی، تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ شرعِ پیغمبرؐ کو آشکارا کر سکے،

اور آخر کار ریڈ کلف نے متحدہ پنجاب کے نقشہ پر سُرخ پنسل سے جو نشان کھینچا، وہ خنجر براں بنکر، پاکستان کی رگ گلو پر لگا، خون کا فوارہ چھوٹا اور سارا پاکستان اس میں نہا گیا۔

مشرقی پنجاب سے ستر لاکھ مسلمان، محض اس جرم میں کہ وہ مسلمان تھے مغربی پاکستان کی طرف ڈھکیل دیے گئے۔

اس طرح ڈھکیلے گئے، کہ ان کے کھیت جلا دیے گئے، ان کے مکانات ڈھا دیے گئے، ان کے مویشی ہنکا لئے گئے، انکا روپیہ، اثاثہ، مال و زر لوٹ لیا گیا، ان کی عورتیں چھین لی گئیں ان کے ننھے ننھے معصوم بچے بیدردی کے ساتھ ماں اور باپ کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیے گئے، اور ان کی چھینی ہوئی عورتوں کے ننگے جلوس نکالے گئے، ان کی عصمت دری کی گئی، انھیں مالِ غنیمت

کی طرح تقسیم کر دیا گیا۔

اور ——————— !

ستر لاکھ کا خانماں برباد قافلہ، پاکستان کی طرف بڑھتا رہا۔!

صرف یہی نہیں ان مسلمانوں کی عورتوں کے ساتھ وہ سفاکی، درندگی، اور بہیمیت روا رکھی گئی کہ آسمان کے تارے بادل کی اوٹ میں چھپ گئے، سورج کا چمکتا ہوا چہرہ سرخ ہو گیا مہتاب کی سفید روشنی سیاہ پڑ گئی، لیکن ان انسانیت کشوں کو رحم نہ آیا، انھیں ترس نہ آیا،

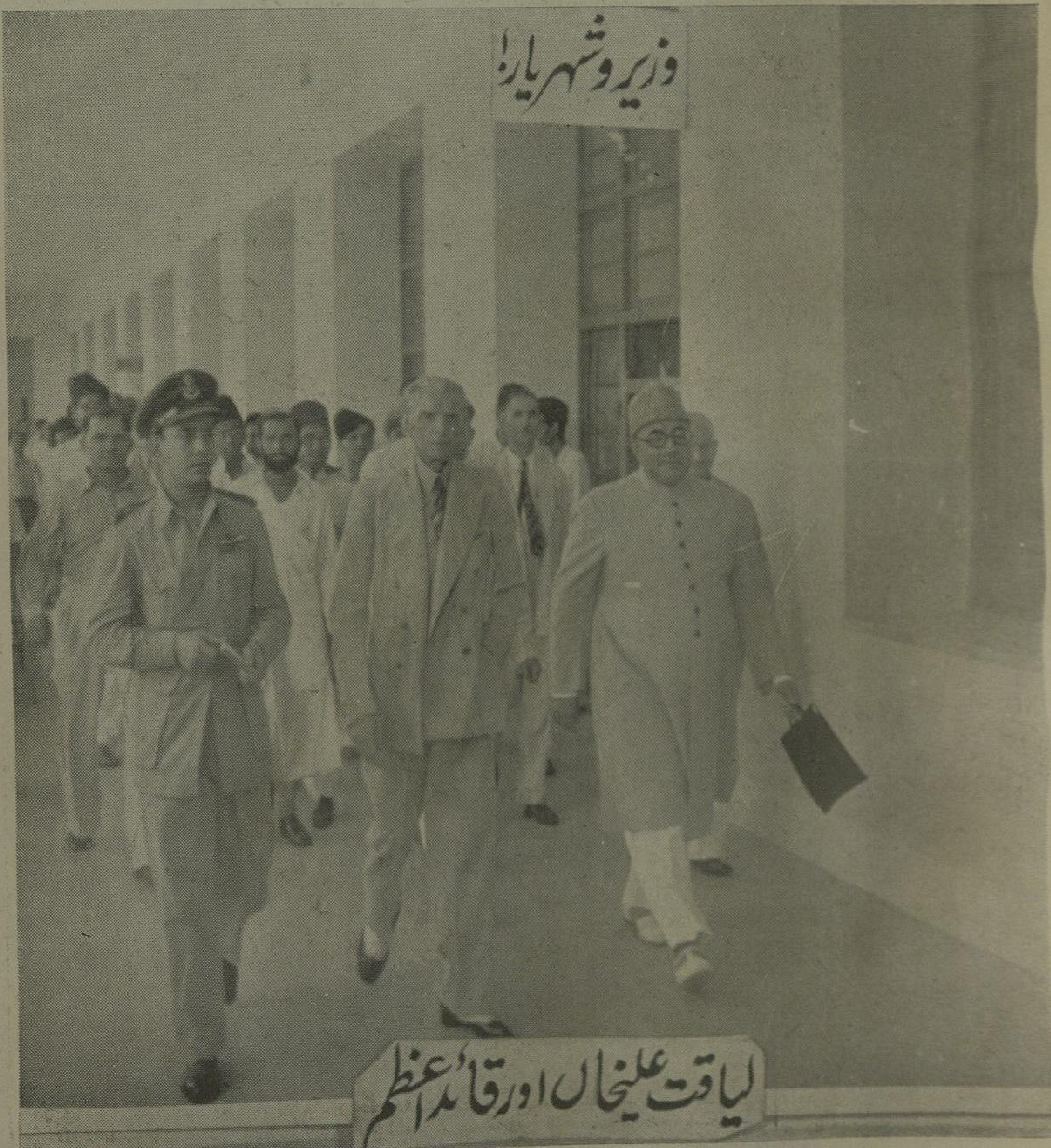
اور ——————— !

اور ستر لاکھ نفوس کا قافلہ سخت جان سب کچھ کھو کر پاکستان کی طرف بڑھتا رہا!

منزل اب بھی دور تھی، حالات اب بھی ناسازگار تھے جب پچاس ہزار عورتیں چھن چکیں، ہزارہا بچے قتل ہوئے، تو اب قافلے والوں پر حملے شروع ہوئے، ٹرینیں روک لی گئیں، اور ہزاروں کا صفایا کر دیا گیا، پاپیادہ قافلے روک لئے گئے اور انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

پھر بھی ———————

ستر لاکھ کا قافلہ، بہت کچھ کم ہوئے، تباہ ہوئے، لوٹ لئے


وزیر و شہریار!
لیاقت علیخاں اور قائدِ اعظم



لیاقت علیخاں   لارڈ ماونٹ بیٹن

جانے، سب کچھ کھو چکنے کے باوجود گرتا پڑتا خستہ اور ماندہ، لہولہان، اور زخم خوردہ، امید اور آرزو کی مشعل تھامے، پاکستان کی طرف بڑھ رہا تھا۔!

اور بالآخر!

اور بالآخر، یہ قافلۂ بلاکشاں، مغربی پاکستان کی سرزمین امن میں داخل ہو گیا۔

یہ اپنا دیس تھا۔!

یہاں اپنی حکومت تھی۔!

اب یہ اندیشہ نہ تھا کہ عورتیں اغوا ہوں گی، اور بچے قتل کر دیے جائیں گے، روپیہ چھین لیا جائے گا، اور گردن مار دی جائے گی، کھیت لوٹ لیے جائیں گے اور مکانات ڈھا دیے جائیں گے، کبھی بم پھینکیں گے، کبھی آسٹن گن چلے گی، کبھی چاقو چلیں گے، کبھی بندوقوں کے شور سے دل دھڑکے گا۔

لیکن یہ امن کتنا قیمتی تھا، کتنا گراں مایہ تھا! یہ اس وقت حاصل ہوا جب کچھ رہ نہ گیا۔

ہم تو بروں کی جان کو پہلے ہی رو چکے!

بھائیوں کی بچھڑی ہوئی بہنیں، شوہروں کی چھنی ہوئی دلہنیں، بچوں کی اغوا کی ہوئی مائیں، اب کہاں ملیں گی؟

مل بھی سکیں گی یا نہیں ، !

تعمیر و تخریب!

اس لٹے ہوئے قافلہ کی پناہ گاہ اب پاکستان تھا ، ! ——— !

اس کے پاس روٹی نہیں تھی ، کپڑا نہیں تھا ، گھر نہیں تھا کھیت نہیں تھا ، دوکان نہیں تھی ، کچھ نہیں تھا ، اور یہ سب کچھ پاکستان کو فراہم کرنا تھا ، !

لیاقت کی آمد!

یہ تھے وہ حالات جب لیاقت علی نے پاکستان کی وزارت عظمیٰ کا چارج لیا ، !

باب ۸

قائد اعظم کے بعد!

آج تو آپ نے گرتا ہوا گھر تھام لیا!

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان عالم وجود میں آیا، ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو

قائد اعظم نے رحلت فرمائی۔!

دنیا میں لوگ آتے اسی لئے ہیں کہ مریں، موت ہر جاندار کا حصہ ہے، خواہ وہ اس حصہ کو لینا چاہے یا نہ لینا چاہے، بڑے سے بڑا کشور کشا، نامور سپہ سالار محبوب عوام قائد، شاہ فلک آستاں، وزیر خوش تدبیر، مزدور، کسان، غریب اور مفلس، کون ہے جو موت سے محفوظ رہ سکے۔ لہٰذا نفسِ موت کا وقوع افسوسناک اور رنج وہ خواہ کتنا ہی ہو، نہ خلاف توقع ہے نہ قابل تدارک، یہ ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا ------------------------------

---

جب احمدِ مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا؟

زہرہ گداز!

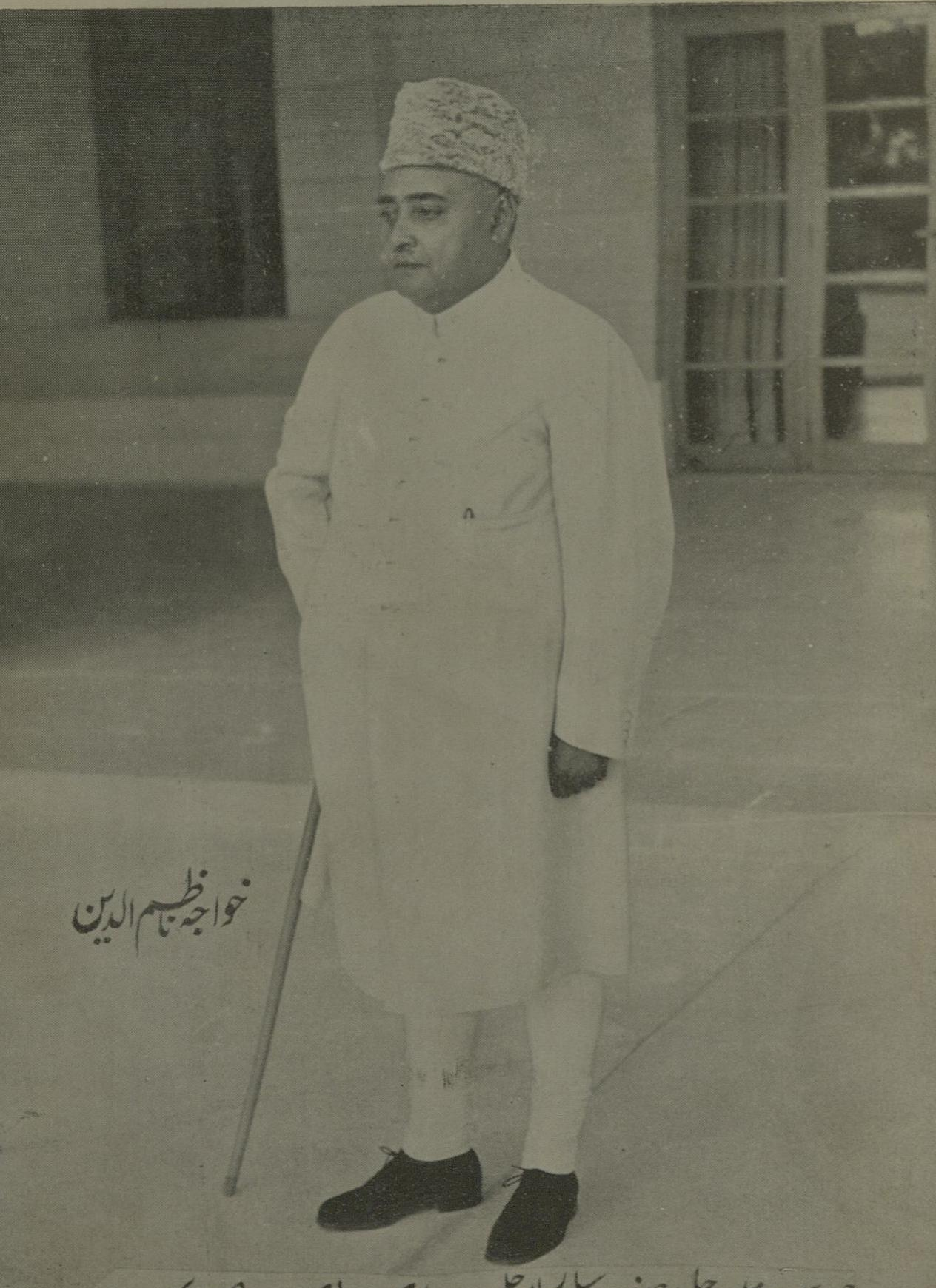
لیکن قائد اعظم کی رحلت وقت اور موقع کے لحاظ سے، بڑی دل خراش اور زہرہ گداز تھی!

مسلم لیگ عوامی جماعت ——————— آخری چند سال مستثنیٰ کر کے ——————— کبھی نہیں بنی تھی، اس کے اکثر لیڈر اور زعیم طبقہ عوام سے نہیں طبقہ خواص سے تعلق رکھتے تھے، لیاقت علی خاں ناظم الدین، حسین امام، اسمٰعیل خاں، چندریگر، راجہ محمود آباد، یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے نہ کبھی عوامی تحریک چلائی نہ عوام سے میل جول رکھا، نہ جیل گئے نہ پولیس کی لاٹھیاں کھائیں، نہ حکومت کے خلاف نعرے لگائے، نہ سینہ چھلنی کرایا، نہ سر پھڑوایا، لیکن قائد اعظم کی رفاقت اور سرپرستی نے انھیں صف اول کا لیڈر بنا دیا۔

خلیق الزماں، حسرت موہانی، عبدالرب نشتر، یہ چند لوگ تھے جو عوام سے ایک تعلق رکھتے تھے، رکھ چکے تھے، لیکن پاکستان بننے کے بعد خلیق الزماں طوفانی مخالفت میں ڈوب گئے، حسرت نے ہندوستانی قومیت کو ترجیح دی، عبدالرب نشتر وزارت کدہ میں معتکف تھے۔

طائرانہ نظر!

اب ایک نظر پاکستان کی مرکزی کابینہ پر ڈالیے، اس میں لیاقت علیخاں تھے



جس سمت میں چاہے صفتِ سیلِ رواں چل   وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا

عبدالرب نشتر تھے، چندریگر تھے، ناظم الدین کو بھی شامل کر لیجئے، اگرچہ وہ اسوقت بنگال کے وزیر اعظم تھے، لیکن بہرحال یہ وہ لوگ تھے جنھیں قائد اعظم نے روشناس خلق کرا دیا تھا، قائد اعظم کے اعتماد نے انھیں قوم کا معتمد بھی بنا دیا تھا لیکن نظری حد تک، عملی حد تک نہیں، اس لئے کہ عمل کے پرکھنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا، ان حضرات کے بعد ممبران کابینہ میں خواجہ شہاب الدین فضل الرحمٰن، عبدالستار پیرزادہ وغیرہ رہ گئے۔ تقسیم سے پہلے ان کی کوئی آل انڈیا حیثیت نہ تھی، تقسیم کے بعد، یہ پاکستان کی مرکزی کابینہ کے ممبر منتخب ہو گئے۔

پھر غور کر لیجئے، ہماری قیادت اور وزارت اب اُن لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو کسی طرح بھی عوامی طوفان اور عوامیت کے سیلاب کا مقابلہ کرنے کی اہلیت اور سکت نہیں رکھتے تھے۔

دوسری مشکل!

ایک طرف تو یہ مشکل تھی، دوسری مشکل یہ تھی کہ مہاجرین کا ایک سیل بے پناہ ہندوستان سے پاکستان کا رُخ کر رہا تھا، یہ وہ لوگ تھے جن کی بہنیں چھین لی گئیں، جن کی لڑکیوں سے رقصِ عریاں کا مظاہرہ کرایا گیا، جن کی بیویوں کی آبرو برباد کی گئی، جن کے گھر لوٹ لئے گئے، روپیہ چھین لیا گیا، کھیت جلا دیے گئے۔ مکان ڈھا دیے گئے، کپڑے پھاڑ ڈالے برتن توڑ دیے گئے۔ غرض ننگے بُچے یہ ہندوستان سے پاکستان کی طرف پہونچے

رہے تھے، یہاں آنے کے بعد بھی، نہ انھیں گھر مل سکا نہ روٹی نہ روپیہ۔

قدرۃً ان میں بے اطمینانی بھی تھی اور بددلی بھی، مایوسی بھی اور پریشانی بھی، بھڑکانے والے بھی کم نہ تھے، لہٰذا اُن میں غم و غصہ کے جذبات بھی پیدا ہونے لگے تھے، قائد اعظم انھیں کسی نہ کسی طرح سنبھال لیتے لیکن اب ـــــــــــــــ؟

تیسری مشکل!

ان دو مشکلوں سے بھی زیادہ سخت اور صعب مرحلہ تھا حیدر آباد دکن کا! سلطنت آصفیہ صدیوں تک قائم رہی، شاہان آصفی کی سخاوت اور فیاضی، بذل و عطا، زرپاشی اور مہر گستری سے ایک زمانہ اور خاص طور پر عالم اسلام نے، اور اس سے بھی زیادہ خاص الخاص طور پر ہندستان کے مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا تھا۔

وہ کون سی درس گاہ تھی جسے حیدر آباد سے مدد نہیں ملتی تھی؟ وہ کون سی خانقاہ تھی جہاں حیدر آباد کے سکے نہیں چلتے تھے؟ وہ کون سے احباب علم و دانش تھے، جو حیدر آباد کے ممنون کرم نہیں تھے؟ پھر حیدر آباد کے ٹھوس عملی کارنامے، عثمانیہ یونی ورسٹی کا قیام، عظیم الشان دار الترجمہ سرکار عالی کا وجود اور اردو زبان کی ہمدردی کی حیثیت۔

اور ان سب باتوں سے بالا، حیدر آباد کی شخصیت، اور اس شخصیت کی انفرادیت!

لیکن اب حیدرآباد کا علم سرنگوں ہو رہا تھا، خاندان آصفیہ کا جاہ و حشم، چراغ سحری کی طرح جھلملا رہا تھا، مسلم تہذیب و ثقافت کا یہ عظیم المرتبت مرکز جو صدیوں سے اپنی آن بان اور شان کے ساتھ اپنی روشنی سے دنیا کی آنکھیں خیرہ کر رہا تھا، اب ہمیشہ کے لئے خاموش لحد میں پہونچنے والا تھا۔

قائد اعظم کی آنکھ بند ہوتے ہی ۴۸ گھنٹوں کے اندر انڈین یونین کی مسلح اور بکتر بند فوجیں اپنے پورے خوں آشام ساز و سامان جنگ کے ساتھ ایک نقریباً نہتے ملک پر چڑھ دوڑیں، دنیا یہ تماشہ حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی، جس طرح دوسری جنگ عظیم کے شروع ہونے کے کچھ عرصہ بعد روس کی دل بادل فوجیں فن لینڈ پر چڑھ دوڑی تھیں، بالکل اسی طرح ہندوستان کے عساکر قاہرہ حیدرآباد کا خاتمہ کرنے کے لئے آگے بڑھنے لگے گویا ایک مکھی کو کچلنے کے لئے چنگھاڑتا ہوا ہاتھی آگے بڑھ رہا ہے، ایک چیونٹی کو مارنے کے لئے ایٹم بم کو زحمت دی جا رہی تھی، ریت کے ایک تودے کو مٹانے کے لئے گرجتا ہوا ابل کھاتا ہوا، شور مچاتا ہوا، سمندر اپنی جگہ سے جنبش کر رہا تھا۔

پاکستان کے مسلمان غلط اور بے اصولی طور پر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ حیدرآباد کا علم خود مختاری سرنگوں نہیں ہو سکتا، سلطنت آصفیہ پر زوال نہیں آسکتا نظام کا دبدبہ اور شکوہ شہریاری قائم رہے گا۔ اور اگر اس کے خلاف ہوا تو پاکستان کی فوجیں بیک جست حیدرآباد پہونچیں گی اور اُسے بچا لیں گی۔

لیکن یہ معجزہ رونما نہ ہوسکا، حیدرآباد پامال ہونے لگا، اور چند ہی روز میں پامال ہوگیا، ———— اس حادثہ نے پاکستان کے عوام میں ایک عجیب قسم کا اشتعال پیدا کر دیا، برہمی اور غضب کی وہ کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی، صرف محسوس کی جاسکتی ہے۔

اس موقع پر اگر قائد اعظم زندہ ہوتے تو لوگ بے قابو نہیں ہوسکتے تھے، عوام ان کے گرد جمع ہوجاتے اور جو وہ کہتے وہی کرتے، لیکن قائد اعظم کہاں تھے؟ وہ تو اس دنیا سے رخت سفر باندھ چکے تھے۔

چوتھی مشکل!

ان مشکلات کے ہجوم میں ایک اور مشکل بھی موجود تھی اور وہ تھی موت و زیست کی کش مکش!

تقسیم ہند کے بعد صورت یہ ہوئی کہ ہندوستان کو سب کچھ مل گیا اور پاکستان کو کچھ نہ ملا!

ہندوستان کے پاس زر و بینک تھا، اسمبلی کی فلک بوس عمارت تھی نئی دلی کا دار السلطنت تھا، نہایت شاندار معتمدی دسکریٹریٹ، تھی، تربیت یافتہ فوج تھی، شاندار بحری بیڑہ تھا، شاندار ہوائی بیڑہ تھا، شاندار بری فوج تھی، وافر سامان جنگ تھا، توپیں تھیں، ٹینک تھے، کیا نہیں تھا۔؟

اور پاکستان کے پاس نہ قلم تھا نہ دوات، نہ میز نہ کرسی، نہ دفتر

نہ عمارت، نہ ٹینک نہ طیارے، نہ جہاز نہ جیپ، لوگ یہ تماشہ دیکھ رہے تھے جو دوست تھے وہ ملول تھے، جو غدار تھے وہ خوش تھے۔

پانچویں مشکل!

پانچویں مشکل ان سب سے بالا تھی!
وہ تھی بے حوصلگی!
ان مشکلات کے ہجوم میں قائدِ اعظم کی وفات
جب اک سانحہ سا ہو گیا تھا!
لوگ سہم گئے تھے، ڈر گئے تھے، گھبرا گئے تھے،
اب کیا ہو گا؟
ہر شخص کی زبان پر فکر و اندیشہ کے ساتھ یہی سوال تھا!
اب کیا ہو گا؟
اگر کہیں پاکستان ان مشکلات کی تاب نہ لا کر ختم ہو گیا تو ہم کیا کرینگے؟
کہاں جائیں گے؟ کیا ہماری آخری پناہ گاہ بحرِ عرب کی موجیں ہوں گی؟
یہ فٹ پاتھ بھی چھن جائے گا؟ یہ جھونپڑی بھی نذرِ آتش ہو جائے گی۔ یہ
فاقہ زدہ بیوی، یہ زار و نزار بہن، یہ زرد و لاغر بیٹی ــــــ
ــــــ آہ، ان سب کا کیا ہو گا۔؟

اور دشمن کے جاسوس افواہیں پھیلا رہے تھے، بددلی پیدا کر رہے تھے، بے حوصلگی کی تبلیغ کر رہے تھے، وہ چاہتے تھے کہ پاکستان کو خود

پاکستانی باشندے ختم کر دیں۔ اور بظاہر ایسا نظر آرہا تھا کہ شائد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گا۔

لیاقت علی خاں!

اب لے دے کے لیاقت علی خاں رہ گئے تھے، لیکن ان سے بھی کچھ زیادہ امید نہیں تھی، نشیوا بیان خطیب یہ نہیں، شعلہ مقال مقرر یہ نہیں طوفانوں کو جھیلے ہوئے، اور طوفانوں کے تھپیڑے سہے ہوئے یہ نہیں نواب زادے ہیں، عیش و عشرت میں زندگی بسر کی، قائد اعظم کی نگاہ انتخاب کے پہلے مسلم لیگ کے سکریٹری، پھر عارضی حکومت کے وزیر مال اور آخر میں پاکستان کا وزیر اعظم بنا دیا، وزیر اعظم بن جانا آسان ہے، لیکن ایک قوم کو ایک ملک کو، ایک گرتی ہوئی قوم کو، ایک ڈوبتے ہوئے ملک کو سنبھال لینا مشکل ہے ______ نہیں ہمارے درد کی دوا لیاقت علی خاں کے پاس، ہمارے دکھ کا علاج اس نواب زادے کے پاس نہیں۔ نہیں، ہمارے کام یہ شخص بھی نہیں آسکتا۔

______ ہمیں ضرورت ہے، قائد اعظم کی، ______

______ لیکن آہ وہ تو اس دنیا سے گذر گئے ؛ ______

______ اب کیا ہوگا ؟ کیا ہوگا ؟

اور دفعتہً ......!

یہ تھی بے حوصلگی، ناامیدی، مایوسی، اور بددلی کی وہ فضا جس میں

لیاقت علی خاں، لیاقت علی خان بن کر نمودار ہوا، اور اس شان، اس سج دھج، اس آن بان کے ساتھ آیا کہ جس نے دیکھا باغ باغ ہو گیا، جو دوست تھے وہ شاد ہو گئے، جو دشمن تھے انھیں ناشاد ہونا پڑا۔

لیاقت علی خاں نے چند سادہ، لیکن دل نشین تقریریں کیں اور چند ہی روز میں محبوبیت عامہ کا بلند مرتبہ حاصل کر لیا۔ یہ وہی لیاقت علیخاں تھے جنھیں عوام سے کبھی واسطہ نہیں رہا تھا۔ لیکن یہ وہی لیاقت علی خاں ہیں جو عوام کی آنکھ کا تارا بن گئے ہیں، سچ ہے۔

یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے!

لیاقت کی تقریر!

اس نازک وصعب مرحلہ پر لیاقت علی خاں نے کئی تقریریں کیں، ہر تقریر سوز و درد، اور حقیقت و صداقت سے معمور تھی، سڑکوں پر ریڈیو سننے کے لئے لوگوں کا ٹھٹھ لگا رہتا تھا۔

قائد اعظم کی وفات کے دسویں دن لیاقت علی خاں نے، ایک معرکۂ آرا اور تاریخی تقریر کی، اپنی اس تقریر میں انھوں نے کہا۔

ہمارے دشمن چاروں طرف سے ہمیں دیکھ رہے ہیں اور یہ امید کر رہے ہیں کہ ہم شائد اپنے راستہ سے بھٹک جائیں، وہ ہر طرح سے ہمارے لئے دقتیں اور دشواریاں پیدا کر رہے ہیں، ہمارے دشمنوں نے ہماری ملت کو چیلنج دیا ہے کہ اب قائد اعظم کے بعد پاکستان کا شیرازہ بکھر جائے گا اور پاکستان کے لوگ

اسکے وجود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، کیونکہ پاکستان کا وجود صرف قائد اعظم سے تھا، بعض غیر ملکوں کے اخباروں نے بھی یہی کہا ہے۔

چیلنج!

اور پھر پورے وثوق اور قوت کے ساتھ لیاقت علی خاں نے پاکستان کے دشمنوں اور غداروں کو للکارا!

میں پاکستان کے بدخواہوں کے چیلنج کو قبول کرتا ہوں کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ میری قوم میں جان ہے کہ وہ پاکستان کی حفاظت اور بقا کے لئے اپنی جان لڑا دے گی۔ میں خوب جانتا ہوں کہ بعض لوگ پریشان ہیں اور ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کہ اب کیا ہوگا۔ وہ اپنے ذہن میں پاکستان کے قیام کا انحصار قائد اعظم کی حیات سے وابستہ سمجھتے تھے، لیکن کسی قوم کی بقا ایک شخصیت پر نہیں ہو سکتی۔

نہ پوری ہونے والی امید!

اور اس کے بعد کچھ اور باتیں کہہ کر لیاقت علی خاں نے بتایا۔

ہمارے دشمن یہ توقع کر رہے تھے کہ قائد اعظم کی وفات پر پاکستان میں افراتفری مچ جائے گی؛ اور اس کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، آپ سب نے دیکھ لیا کہ ایسا نہیں ہوا، آپ سب نے دیکھ لیا ہے کہ اس کے برعکس لوگوں میں اعتماد اور ذمہ داری کا احساس پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا ہے، یہاں تک ہوا

کردہ لوگ جو حکومت کے نقاد تھے اور اس سے اختلاف رائے رکھتے تھے وہ بھی میرے پاس آئے ہیں اور انھوں نے اپنی خدمات ملک کے لئے پیش کی ہیں، انھیں اس کا احساس ہو گیا ہے کہ اس نازک وقت پر کسی اختلاف کی گنجائش نہیں، اس وقت ملک کو اتحاد کی ضرورت ہے تاکہ ہم طاقتور بن سکیں۔

قوم کے غدار!

آگے چل کر لیاقت علی خاں نے کہا!

میں خوب جانتا ہوں کہ قومی غداروں اور ہمارے دشمنوں کے ایجنٹوں اور جاسوسوں نے مختلف قسم کی افواہیں پھیلا کر پاکستانیوں کے خیالات کو پراگندہ، اُن کے ارادوں کو متزلزل، اور اُن کی ہمت کو پست کرنا چاہا ہے، انھوں نے یہ کوشش کی ہے کہ لوگوں میں تشویش، ہراس اور نا امیدی پھیلے اور اپنی حکومت اور اپنے لیڈروں کی طرف سے بدظن ہو جائیں۔ یہ ایک پُرانا حربہ ہے جو دشمن نازک موقعوں پر استعمال کیا کرتے ہیں۔

حیدرآباد کا ذکر!

پھر حیدرآباد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

حیدرآباد کے واقعات سے پاکستان کے باشندوں کے جذبات جس طرح مجروح ہوئے ہیں میں اس سے واقف ہوں اور ضرور ہی معلوم ہوتا ہے،

کہ میں اس کے متعلق حکومت پاکستان کی پوزیشن واضح کردوں، کیونکہ لوگوں میں اس کے متعلق غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ یکم جون کو قائد اعظم کی طرف سے ایک بیان شائع کیا گیا تھا، جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ حیدر آباد کی اتحاد المسلمین کے تین نمائندوں نے کوئٹہ میں قائد اعظم سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن قائد اعظم نے اُن سے ملنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

اُس بیان میں قائد اعظم نے کہا تھا کہ ہندوستان کو نہیں چاہیے کہ حیدر آباد کے الحاق کے لئے چیرہ دستی سے کام لے۔ یا اُنھیں ڈرا دھمکا کر اپنا مقصد حاصل کرے، کیونکہ ایسا رویہ عدل و انصاف اور ہر اخلاقی قانون کے خلاف ہے۔

قائد اعظم نے یہ بھی کہا تھا کہ نہ صرف پاکستان کے مسلمانوں کو بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو حیدر آباد سے ہمدردی ہے۔ بیان کے آخر میں انھوں نے کہا تھا کہ حیدر آباد کو حق ہونا چاہیے کہ وہ بغیر کسی دباؤ کے پوری آزادی کے ساتھ اپنی قسمت کا فیصلہ آپ کرے، حکومت پاکستان کی بھی یہی پالیسی رہی ہے۔

حیدر آباد میں لاکھوں مسلمان بستے ہیں اور ہم چاہتے تھے کہ اُن پر دباؤ نہ ڈالا جائے اور اُن کو کوئی دُکھ نہ پہنچے۔ ہم ہمیشہ سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ بین الاقوامی مسائل کا حل آشتی، صلح اور انصاف کے اصولوں پر ڈھونڈنا چاہیے نہ کہ جنگی طاقت کے بل پر، دنیا کے اکثر ملکوں کے اخباروں اور اُن

سیاست دانوں کو جو دُنیا میں امن چاہتے ہیں ہماری رائے سے اتفاق ہے اور وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہندوستان کو حیدرآباد پر چڑھائی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔

اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے پنڈت نہرو سے اپیل کی تھی کہ وہ حیدرآباد کے خلاف اپنی فوجی طاقت استعمال نہ کریں بلکہ پُرامن طریقہ سے سمجھوتہ کریں۔

ہم نے دوسرے ممالک کی توجہ بھی پوری قوت کے ساتھ اس طرف دلائی تھی، دنیا کے ہر ملک کے لیڈروں نے اکثر یہ کہا ہے کہ اُن کی رائے میں امن قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی ملک کو یہ اختیار نہیں ہونا چاہیئے، کہ وہ باہمی اختلاف کا فیصلہ بزور شمشیر کرے اور کمزور ملکوں کی آزادی کو ختم کر دے۔

باوجود ہماری ان کوششوں کے ہندوستان نے جو طریقہ اختیار کیا وہ دنیا پر ظاہر ہے، اور میں جانتا ہوں کہ کوئی انصاف پسند ملک اس کو پسندیدہ خیال نہیں کرسکتا۔

ہماری آزادی!

اور اس کے بعد قوم کے اس شیر نے گرجتے ہوئے کہا:۔

میں اس سے خوب واقف ہوں کہ بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خطرہ ہے کہ شائد ہماری آزادی پر کسی طرف سے حملہ ہو میرے لئے یہ ممکن نہیں

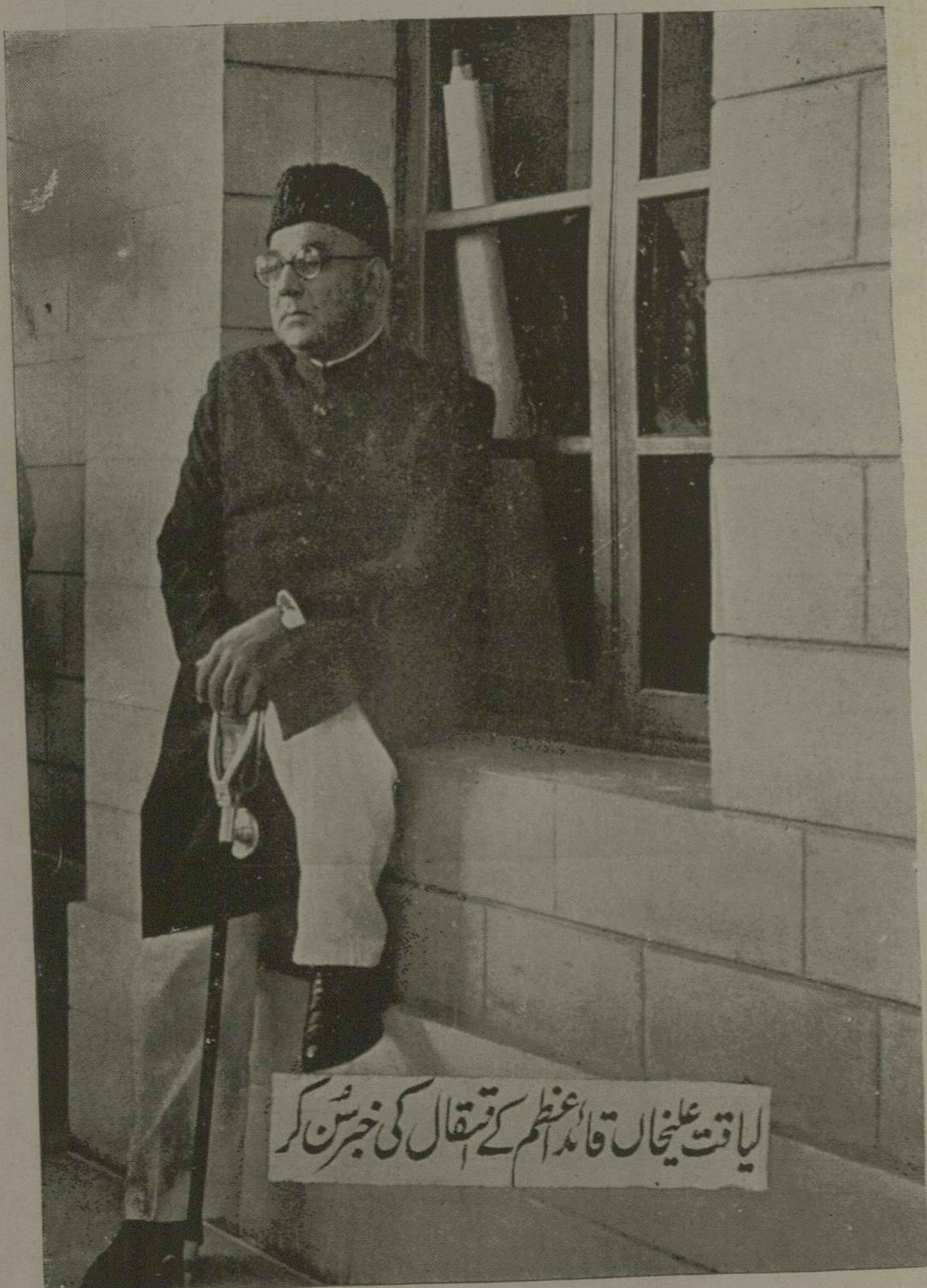
کہ میں یہ بتاؤں کہ پاکستان کے تحفظ کے لئے ہم نے اب تک کیا بندوبست کیا ہے اور اس وقت کیا کر رہے ہیں

میں آپ کو صرف یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے یوم آزادی کی تقریر میں کہا تھا کہ میں قوم اور ملک کو فاقہ کرتے ہوئے دیکھوں گا مگر ان کی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہیں ہونے دوں گا۔ میں یہی الفاظ پھر دہراتا ہوں، میں قوم کو یہ بھی یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری بری، بحری اور ہوائی افواج اعلیٰ درجہ کی ہیں اور اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے پوری طرح تیار ہیں، نہ صرف مجھے بلکہ تمام پاکستان کو ان کی ہمت، عزم اور جذبہ پر فخر ہے، میں دوبارہ یہ دہرانا چاہتا ہوں کہ پاکستان پر حملہ کی صورت میں خواہ کسی طرف سے ہو۔ میں، میرے رفقاء اور پاکستان کا ہر فرد پاکستان کی ایک ایک انچ زمین کی خاطر اپنے لہو کا آخری قطرہ بہا دے گا۔

مجھے قائد اعظم کے یہ الفاظ اچھی طرح یاد ہیں کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے اگر کبھی جنگ ہو تو کسی حالت میں ہتھیار نہ ڈالنا خواہ دشمن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو اپنی زندگی کے آخری دم تک اس سے لڑائی کو جاری رکھنا، میں جب تک اس عہدہ پر فائز ہوں جس پر مجھے قوم نے مقرر کیا ہے میں ان الفاظ کو نہیں بھول سکتا، اور میں ان پر عمل کروں گا مجھے یقین ہے کہ ساری قوم قائد اعظم کی اس وصیت پر عمل پیرا ہو گی۔

ایک اہم نکتہ!

پھر فرمایا:۔



لیاقت علیخاں قائداعظم کے انتقال کی خبر سُن کر



قائداعظم کی نماز جنازہ
مولانا شبیر احمد عثمانی اور لیاقت علیخاں

یاد رکھئے کہ کسی ملک کی حفاظت صرف فوجوں سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس یقین اور خود اعتمادی سے جو اس کے باشندوں کے دلوں میں ہوتی ہے اور اس ہمت اور قربانی سے جس سے وہ کام کرتے ہیں۔ اگر پاکستان کا ہر باشندہ یہ تصفیہ اور تہیہ کر لے کہ وہ اپنے ملک کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی اور اپنا مال قربان کر دے گا تو دنیا کی کوئی بڑی طاقت بھی آپ کی آزادی کو سلب نہیں کر سکتی۔

اس وقت ہر پاکستانی کو اس جذبہ سے کام کرنا چاہئے اور میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اسی جذبہ سے اپنی حکومت کی مدد کریں۔

اور پھر ——!

اس تقریر نے مایوسوں کو بامراد کر دیا، جن کے دل اندیشۂ فردا سے دھڑک رہے تھے، وہ شیر دل بن گئے، جو اپنے اور قوم کے مستقبل کی طرف سے اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا تھے وہ بے فکر اور مطمئن ہو گئے۔ جو پاکستان کی سالمیت کے بارے میں فکرمند تھے وہ ایک آزاد ملک کے باشندے اور آزاد قوم کے فرد ہونے پر فخر کرنے لگے۔

چند ہی دنوں میں اتنا بڑا انقلاب صرف لیاقت علی خاں کی شخصیت، صداقت اور سیاست کا کرشمہ تھا!! جس نے قوم کا گرتا ہوا گھر سنبھال لیا۔!

باب ۹

مسئلہ کشمیر!
اہم اور معرکہ آرا حقائق!

کشمیر کا مسئلہ، ہند اور پاکستان کے درمیان ایک مستقل نزاع کا سبب بنا ہوا ہے، اگر یہ مسئلہ حل ہو جاتا تو اب تک ان دونوں ہمسایہ ممالک کے تعلقات کہیں زیادہ خوش گوار، اور دوستانہ ہو چکے ہوتے، لیکن اس مسئلہ کا منصفانہ حل نہ نکل سکا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک، یہ مسئلہ، ما بہ النزاع بنا ہوا ہے اور تعلقات کی تلخی میں برابر اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

نہرو کی ہٹ دھرمی!

کشمیر کے سلسلہ میں محض کشمیری النسل اور کشمیری الاصل ہونے کے باعث پنڈت نہرو نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ سراسر ہٹ دھرمی، ناانصافی، خودرائی، اور ضد پر مبنی ہے، اسمیں کوئی معقولیت نہیں ہے، اس کا اعتراف خود ان کے دیرینہ رفقاء کار کر چکے ہیں۔ ہندوستان کی کابینہ سے مستعفی ہونے کے بعد، ڈاکٹر امبیدکر نے جو بیان دیا وہ دعوے کا بہترین ثبوت ہے۔ ہندستان کے سرمایہ داروں کی طرف سے بارہا اس امر کا اظہار ہو چکا ہے کہ ہندوستان کی ایک بہت بڑی رقم، جو کروروں سے متجاوز ہے، ہر سال، محض نہرو کی ہٹ اور ضد پر قربان ہو رہی ہے۔

لیاقت کی تقریر!

کشمیر کے مالۂ وماعلیہ کا صحیح اندازہ خان لیاقت علی خاں کی اس یادگار، تقریر سے ہو سکتا ہے، جو انھوں نے پاکستان کی مجلس دستور ساز کے سامنے ۹ر جنوری سنہ ۱۹۵۰ء کو مباحثۂ کشمیر کا آغاز کرتے ہوئے کی تھی۔

اہم مسئلہ!

لیاقت علی خاں نے کہا:-

جناب عالی! میں آج پاکستان کے ایک نہایت اہم مسئلہ یعنی ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل پر تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ یہ مسئلہ ہمارے عزیز وطن کے قیام کے بعد ہی سے چلا آرہا ہے۔ ریاست جموں و کشمیر کے پاکستان یا ہندوستان میں شمولیت کے مسئلہ کو پیدا ہوئے آج تقریباً ڈھائی سال ہونے کو آئے۔ دو سال سے زیادہ ہوئے کہ یہ مسئلہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور ابھی تک اس کے سامنے ہے اس اثناء میں حکومت پاکستان نے اس مسئلہ کو پرامن طریقوں سے سلجھانے کی حتی الامکان کوشش کی اور وہ ایک باعزت سمجھوتہ کرنے کی غرض سے وقتاً فوقتاً نیک نیتی سے مختلف تعمیری تجاویز بھی پیش کرتی رہی ہے۔ حکومت پاکستان نے مخلصانہ طور پر مدد دینے کی نیت سے سلامتی کونسل اور ثالثی کمیشن کے ساتھ کھلے دل سے اشتراک عمل کرنے کی پیش کش کی ہے تاکہ یہ پیچیدہ مسئلہ منصفانہ طریقہ پر حل ہو جائے لیکن حکومت ہند کا رویہ اب تک غیر مصالحانہ رہا ہے۔ اس قضیہ کے آغاز سے اب تک ہمیں ایک ایسی پالیسی سے دوچار ہونا پڑا ہے جو پرامن حل کی کوششوں میں روڑے اٹکانے کے لئے جان بوجھ کر اختیار کی گئی ہے۔ ہندوستان نے محض ایک دفعہ جمود طاری کرنے

یا رو ڑے اٹکانے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ شروع دن سے جب سے کہ پہلے ہندوستانی سپاہی نے سرزمین کشمیر میں اپنا قدم رکھا تھا حکومت ہند قلابازیاں کھاتی اور یکے بعد دیگرے پینترے بدلتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مسئلہ جوں کا توں ہے اور ابھی تک اس کے حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی حالانکہ سمجھوتے کے طریقوں کے بارے میں ایک بین الاقوامی معاہدہ ہو چکا ہے۔ جسے دونوں حکومتیں منظور کر چکی ہیں۔

بنیادی حقائق!

ریاست جموں و کشمیر کے بنیادی حقائق سے آپ سب واقف ہیں، ریاست کی آبادی تقریباً چالیس لاکھ ہے اور وہاں مسلمانوں کی زبردست اکثریت ہے۔ سرکاری مردم شماری کے مطابق صوبہ کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی ۹۳ فیصدی اور جموں کے نسبتاً بہت چھوٹے سے صوبہ میں تقریباً ۶۰ فی صدی ہے۔ تمام ریاست میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۸۰ فی صدی ہے۔

ایک بڑا ہی مسلم ریاست پر ہندو مہاراجہ کی حکمرانی تاریخ کا ایک حادثہ تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست جموں و کشمیر کو پچھتر لاکھ روپے کی حقیر رقم کے بدلے موجودہ حکمران کے پردادا کے ہاتھوں بیچ دیا تھا۔ ریاست میں شروع دن سے ہی مسلمانوں کی بہت ہی بڑی اکثریت رہی ہے اور یہاں کا سول اور فوجی نظم و نسق غیر مسلموں

کے ہاتھوں میں رہا ہے۔ یہاں کا نظم و نسق اپنے ظلم تشدد کی وجہ سے نہایت بدنام رہا ہے۔ ریاست کی مسلمان آبادی نے بارہا ظالموں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ اگرچہ انھیں ہمیشہ بے دردی سے کچل دیا گیا۔ ہندو حکمرانوں کی یہ مسلسل پالیسی رہی ہے کہ مسلم آبادی کو افلاس اور نکبت و ادبار کی دائمی حالت میں مبتلا رکھا جائے۔

تقسیم ہند کے بعد!

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جب یہ برصغیر تقسیم ہوا تو ریاست جموں و کشمیر دیگر ریاستوں کی طرح پاکستان یا ہندوستان میں شامل ہونے کے لئے آزاد ہو گئی۔ جغرافیائی لحاظ سے یہ ریاست پاکستان کا ایک حصہ ہے، کیونکہ دونوں کی کئی سو میل لمبی مشترک سرحد ہے، اور کشمیر کے تمام دریا اور تجارتی راستے پاکستان سے گذرتے ہیں کشمیر صرف ایک تنگ راستے کے ذریعہ ہندوستان سے وابستہ ہے اور یہ راستہ بھی ریڈکلف کے فیصلے کے تحت نہایت غیر منصفانہ طریقہ پر ہندوستان کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔ پاکستان کے کشمیر سے جغرافیائی اقتصادی اور ثقافتی تعلقات کا تقاضا ہے کہ اسے پاکستان میں شامل ہو جانا چاہئے۔ لہٰذا قدرتی طور پر ریاست کی زبردست اکثریت نے پاکستان میں شامل ہونے کے لئے زور دیا اور نہایت واضح طریقہ پر

اپنی خواہشات کا اظہار کیا، لیکن ہندو مہاراجہ اپنے مفادات کے پیش نظر ہندستان کی طرف مائل تھا، اگرچہ اس نے کچھ عرصہ تک اپنے عوام کی زبردست اکثریت کی خواہشات کے خلاف کوئی کھلم کھلا قدم نہیں اٹھایا، مہاراجہ نے فوری تصادم سے بچنے اور قدم جمانے کے لئے وقت حاصل کرنے کی غرض سے اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان سے ایک معاہدۂ جاریہ کیا جس پر وہ اپنا مطلب حاصل کرنے کے ایک لمحہ بھی عمل کرنا نہیں چاہتا تھا۔

ہولناک نظارے!

جیسا کہ سب جانتے ہیں برصغیر کی تقسیم کے بعد ایک خوفناک کشت و خون شروع ہوا اور سکھوں اور ہندو راشٹریہ سیوک سنگھ کی بہیمانہ اور بیدردانہ سازش کے تحت مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو ختم کرنے اور مار بھگانے کا پروگرام شروع ہوا۔ مشرقی پنجاب اور قرب و جوار کی ریاستوں کے سرکاری حکام نے بھی ان کی مدد کی اور انہیں بھڑکایا۔

جب مشرقی پنجاب سے آنے والے مہاجروں نے ریاست جموں و کشمیر کے ملحقہ علاقوں میں المناک واقعات اور مسلمانوں پر ظلم و تشدد کی دلخراش داستانیں سنائیں تو انہیں خود اپنے مستقبل کی فکر دامن گیر ہوئی اور ان واقعات اور داستانوں نے انہیں اور بھی زیادہ یقین دلادیا کہ ان کی نجات کا انحصار ریاست کی پاکستان میں شمولیت پر ہے، اس اثنا میں ریاست کی مسلم آبادی کو مسلح ہندوؤں اور سکھوں نیز حکومت کی مسلح فوجوں

کے ذریعہ قتل کرنے کا پروگرام شروع ہوا اور تمام ریاست میں جبر و تشدد کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

منظم سازش!

ستمبر ۱۹۴۷ء کے دوران میں ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں کے قتل اور ان پر ظلم و تشدد کی بھیانک خبریں ان مسلم مہاجروں کی معرفت پاکستان آنی شروع ہوئیں جو پناہ لینے کے لئے پاکستان آرہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مہاجرین کی تعداد انتہا کو پہونچ گئی، اور یہ یقین ہو گیا کہ ریاست کے حکام کا مقصد ہندوستان کے دیگر حصوں کی طرح مسلمانوں کا قتل عام کرنا اور انھیں ریاست سے مار بھگانا ہے۔

مسلمانوں پر ظلم و تشدد برابر بڑھتا گیا، اور ریاست کی ہندو فوج نے اپنی بہیمیت اور درندگی کا دل کھول کر ثبوت دیا۔

سخت پریشانی کے عالم میں مسلم آبادی نے متعدد علاقوں میں کھلی بغاوت شروع کر دی اور ہندو حکمراں سے آزاد ہونے کا اعلان کر دیا۔

ان واقعات کی وجہ سے تمام پاکستان بالخصوص سرحدی علاقوں میں جہاں ہزاروں زخمی اور مجروح مہاجرین پناہ گزیں تھے، ستم رسیدہ اور مظلوم مسلمانوں سے ہمدردی کا زبردست جذبہ پیدا ہوا، لہٰذا قدرتی طور پر یہ ضروری تھا کہ ان کے متعلقین اور ملحقہ شمالی علاقہ کے ہمدرد قبائلی سرحد پار کر کے اپنے ۳۰ لاکھ مسلمان بھائیوں کی جان بچائیں، اسی اثنا میں مہاراجہ

نے ہندوستان میں شامل ہونے کی درخواست کی اور اپنی مسلم رعایا کو کچلنے کے لئے فوج حاصل کرنے کی اپیل کی۔

مہاراجہ اور ہندوستان کے درمیان جو سازش ہوئی تھی، وہ اب روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی، حکومت ہندوستان نے مہاراجہ کی درخواست فوراً منظور کرلی اور ریاست کو بیرونی حملہ سے بچانے کے بہانے ریاست کے بیشتر حصہ پر قبضہ کرنے کے لیے فوراً مسلح فوجیں بھیجدیں۔

تحریک آزادی!

ان لوگوں کی تحریک آزادی سے پاکستان میں ہمدردی کی ایک لہر دوڑ گئی، جن پر نہایت بے رحمی سے ظلم و ستم توڑا گیا اور جو پاکستان میں شامل ہونے کے لیے جس سے ان کے مذہبی، ثقافتی اور اقتصادی مفاد وابستہ ہیں اپنا ناقابل انکار حق استعمال کرنا چاہتے تھے، ان حالات میں مکر و فریب سے انڈین یونین میں اس ریاست کی شمولیت اور ہندوستانی فوجوں کا ریاست پر بجبر قبضہ، انتہائی اشتعال انگیز حرکات تھیں، جن کے جواب میں جارحانہ اقدام نامناسب نہ ہوتا۔

لیکن ہم نے اشتعال انگیزی کا جواب مصالحت سے دینا طے کیا،

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست میں ہندوستانی فوجوں کے داخلہ کے فوراً بعد ہم نے پاکستان اور ہندوستان کے گورنر جنرلوں اور وزراء اعظم کی کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز پیش کی، لیکن اس کانفرنس میں وزیراعظم

ہندوستان شریک نہیں ہو سکے، یکم نومبر کو قائد اعظم نے یہ تنازعہ حل کرنے کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سامنے تین تجاویز پیش کیں۔

پہلی تجویز یہ تھی کہ کشمیر کی جنگ بند کرانے اور اگر ضرورت پڑے تو اسکے لئے طاقت استعمال کرنے کے لئے گورنر جنرلوں کو مکمل اختیارات دیئے جائیں

دوسری یہ کہ ہندوستانی فوجیں اور کشمیر کی جنگ میں حصہ لینے والے پاکستانی باشندے جلد از جلد اور بیک وقت ریاست کی سرزمین سے واپس جائیں۔

تیسری تجویز یہ تھی کہ ریاست میں امن قائم کرنے، ریاست کا نظم و نسق سنبھالنے اور اپنی مشترکہ نگرانی میں بلا تاخیر استصواب رائے عامہ کا انتظام کرنے کے لئے دونوں گورنر جنرلوں کو مکمل اختیارات دیئے جائیں۔

ان تجاویز سے اور زیادہ منصفانہ بات کیا ہو سکتی تھی کہ جنگ قطعاً بند کر دی جائے، فریقین کی تمام بیرونی فوجیں اور مسلح دستے واپس کرا دیئے جائیں اور ایک غیر جانب دارانہ استصواب رائے عامہ کے ایسے جمہوری طریقہ سے شمولیت کے مسئلہ پر عوام کی آزادانہ رائے معلوم کی جائے۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں اساسی طور پر قائد اعظم کا یہی رویہ تھا اور ہم اس کے بعد ہمیشہ اسی رویہ پر قائم رہے۔

ہند کا ردِ عمل!

لیکن اس سلسلہ میں ہندوستان کا کیا ردِ عمل تھا؟ کئی روز تک تو قائد اعظم

کی تجاویز کا کوئی جواب ہی نہ دیا گیا، اور جب جواب موصول ہوا تو یہ قائد اعظم کی تجاویز کو مکمل طور پر مسترد کرنے کے مترادف تھا،

ہندوستان نے اپنی جوابی تجاویز میں کہا کہ قبائلیوں کی واپسی کے بعد ہندوستانی فوجیں واپس جائیں اور ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں کشمیر میں جلد از جلد استصواب رائے عامہ منعقد کرانے کے لئے ادارۂ اقوام متحدہ سے مشترکہ درخواست کریں۔

اس دوران میں ۲ نومبر کو وزیر اعظم ہندوستان کی ایک نشری تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ ہندوستان کا ارادہ یہ ہے کہ ایک طرف تو ریاست جموں و کشمیر میں فوجی اقدام کے ذریعہ فیصلہ کرے اور دوسری طرف یہ مضحکہ خیز بہانہ کرے کہ ریاست پر مکمل طور سے فوجی قبضہ ہو جانے کے بعد استصواب رائے عامہ کے ذریعہ ریاستی عوام کی رائے معلوم کی جائے گی۔

ہندوستان کا یہ ردعمل نہایت ناقابل اطمینان تھا، یہ بات بالکل صاف تھی کہ ہندوستان ریاست کی مسلم آبادی ختم کر کے اس پر مستقل طور سے قبضہ کرنا چاہتا ہے، اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مقولہ پر عمل کرتا ہے، پھر بھی ہم نے گفت و شنید کے ذریعہ سمجھوتے کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

میں نے وسط نومبر میں اپنے ایک صحافتی بیان میں حکومت پاکستان کے رویہ کا ان الفاظ میں اظہار کیا کہ:-

پاکستان کا رویّہ!

"منشور اقوام متحدہ کا یہ بنیادی اصول ہے کہ طاقت کو حق پر حاوی نہ ہونے دیا جائے، اس لئے یہ پورا تنازعہ رائے عالم کی عدالت کے سامنے پیش کرنا چاہئیے۔ ہم ادارۂ اقوام متحدہ سے فوراً درخواست کرنے کو تیار ہیں کہ وہ ریاست جموں و کشمیر میں جنگ نیز ریاستی مسلمانوں پر مظالم بند کرانے، بیرونی فوجوں کی واپسی کے پروگرام کا انتظام کرنے، استصواب رائے عامہ کے انعقاد تک ریاست میں غیر جانب دارانہ نظم و نسق قائم کرنے اور ریاستی عوام کی آزادانہ مرضی معلوم کرنے کے واسطے اپنی زیر نگرانی استصواب رائے عامہ کرانے کے لیے ریاست جموں و کشمیر میں اپنے نمائندے مقرر کرے شمولیت کے سوال پر ہم مناودر اور جوناگڑھ کے تنازعہ کے متعلق بھی اسی طرح کا حل منظور کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ میں نے اس بیان میں واضح کر دیا ہے کہ حکومت پاکستان اس پورے تنازعہ کو جس میں فوجوں کی واپسی، عبوری نظم و نسق کی حیثیت اور استصواب رائے عامہ کے انتظام کا سوال بھی شامل ہے، ثالثی کے لئے ادارۂ اقوام متحدہ کے سامنے پیش کرنے پر متفق ہے، ہم نے ہندوستان کی اس تجویز کو دل سے مان لیا کہ کشمیر میں استصواب رائے عامہ کا انتظام کرنے کے لئے ادارۂ اقوام متحدہ سے

مشترکہ درخواست کی جائے، بلکہ درحقیقت ہم نے تو ایک قدم اور آگے بڑھایا اور یہ تجویز پیش کی کہ اس تنازعہ سے متعلق تمام معاملات بھی ادارہ اقوام متحدہ کے سامنے پیش کر دیے جائیں۔

ہند کا جواب!

لیکن ہندوستان نے اس کا جواب دیا؟ اس کا جواب یہ تھا کہ:-

"جنگ بند کرانے کے لئے ہندوستانی فوجوں کو ریاست میں موجود رہنا چاہیے، شیخ عبداللہ کی حکومت ریاستی عوام کی مرضی کے مطابق اور غیر جانب دارانہ ہے۔ اس تنازعہ کے موجودہ حالات میں ادارۂ اقوام متحدہ یہ مسئلہ حل کرنے میں کوئی مدد نہیں دے سکتا، لیکن اقوام متحدہ کے مبصرین کو کشمیر آنے اور مجوزہ استصواب رائے عامہ پر مشورہ دینے کی دعوت دینے کے لئے ہندوستان تیار ہے۔"

یہ نئی تجویز کہ ہندوستان کے زیر نگرانی منعقد ہونے والے استصواب رائے عامہ پر مشورہ دینے کے لئے ادارۂ اقوام متحدہ کے مبصرین سے کہا جائے، ہندوستان کی اس سے قبل کی اس تجویز سے واضح روگردانی تھی کہ ادارہ اقوام متحدہ جلد از جلد کشمیر میں استصواب رائے عامہ کرائے۔

میک ناٹن!

اس تنازعہ کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا جب ہندوستان نے مسئلہ کشمیر کو پاکستان کے خلاف اس شکایت کی صورت میں سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا کہ اس نے بین الاقوامی امن کو خطرہ میں ڈالنے والا ایک جارحانہ اقدام کیا ہے، حکومت پاکستان نے جارحانہ اقدام کے متعلق ہندوستان کے الزامات کو واضح الفاظ میں مسترد کرتے ہوئے اس تنازعہ میں اقوام متحدہ کی مداخلت کو دعوت دینے کے اقدام کا پوری طرح خیر مقدم کیا، اور میں نے ۳۱ دسمبر کو وزیر اعظم ہندوستان کے نام ایک خط میں یہ مخلصانہ امید ظاہر کی کہ اقوام متحدہ کی مداخلت سے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان تمام موجودہ اختلافات جلد دور ہو جائیں گے، سلامتی کونسل نے پانچ ہفتوں تک کافی مباحثہ کے بعد جنرل میک ناٹن کی ۶ فروری ۱۹۴۸ء کی قرارداد میں خاص سفارشات کو تسلیم کر کے ہمارے رویہ کی منصفانہ حیثیت کی حمایت کی جس میں ادارہ اقوام متحدہ کے زیر نگرانی ایک آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے عامہ منعقد کرنے کی بھی سفارش شامل تھی، جب یہ معلوم ہوا کہ یہ قرارداد منظور کر لی جائے گی تو ہندوستانی نمائندے نے مباحثہ کو ملتوی کرنے کی درخواست پیش کر دی اور وہ سلامتی کونسل کی تقریباً متفق الاعلان خلاف ورزی کرتے ہوئے نئی دہلی واپس چلا گیا۔

اب اس دوران میں کیا ہوا اس کے متعلق مختلف قیاس آرائیاں کی گئیں لیکن مارچ ۱۹۴۸ء میں مباحثہ شروع ہونے پر جنرل میک ناٹن کی قرارداد کو بالکل فراموش کر دیا گیا، اور ۲۱ اپریل کے مباحثہ سے ایک نئی قرارداد جو واضح طور پر ہندوستان کے زیادہ موافق تھی، ظاہر ہوئی لیکن ہندوستان نے یہ قرارداد بھی نامنظور کر دی۔ اس نئی قرارداد کی شرائط ہمارے لئے پوری طرح قابل قبول نہ تھیں، پھر بھی ہم نے اس قرارداد کے تحت قائم ہونے والے کمیشن سے تعاون کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

ہندی افواج میں اضافہ!

اسی دوران میں برصغیر میں نہایت اہم واقعات ہو رہے تھے، ادہر سلامتی کونسل میں کشمیر کا مسئلہ زیر بحث تھا، ادہر ہندوستان تیزی سے اپنی کشمیر کی فوجوں میں اضافہ کر رہا تھا۔

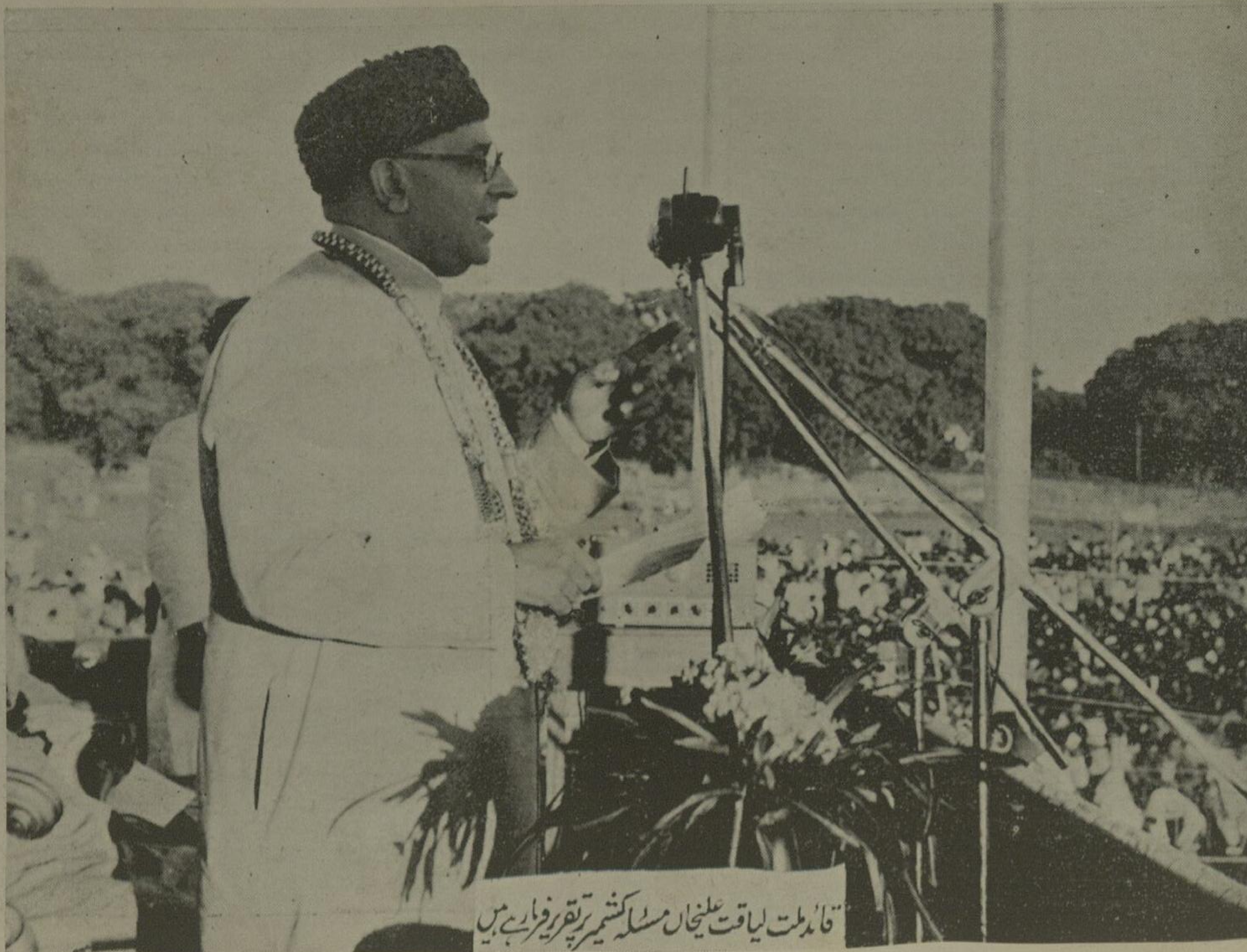
اپریل ۱۹۴۸ء میں ہندوستان نے پوری قوت سے حملہ شروع کر دیا جس کا یہ قطعی مقصد تھا کہ تمام ریاست پر بہ جبر قبضہ کر لیا جائے تا کہ دنیا کے سامنے فیصلہ کن صورت پیش کر دے، پاکستان میں ہندوستانی حملہ کے بالواسطہ اثرات فوراً محسوس کئے گئے جہاں اس کا سب سے پہلا نتیجہ جو نظر آیا وہ ریاست سے بہت بڑی تعداد میں مہاجرین کی آمد تھا۔ ہندوستانی فوجیں یقینی طور پر پاکستان کے لئے عقب اور

بازو کی طرف سے خطرے کا موجب بن رہی تھیں اور پاکستان اور جموں وکشمیر کے درمیان تمام سرحدی علاقہ خطرناک طور پر غیر محفوظ ہو گیا تھا اس صورت حال کے پیش نظر پاکستان کے اہم مفاد کے تحفظ کے لئے تھوڑی سی پاکستانی فوجیں اوائل مئی ۱۹۴۸ء میں کشمیر بھیجی گئیں تاکہ وہ بعض دفاعی مورچے سنبھال سکیں۔

اقوام متحدہ کا کمیشن!

اقوام متحدہ کا کمیشن برائے ہندوستان و پاکستان جولائی کی ابتدا میں اس برصغیر میں پہونچا، کمیشن نے ہندوستان اور پاکستان سے علیحدہ علیحدہ گفت و شنید کی اور ۱۳ر اگست کو ایک رزولیوشن منظور کیا جس کے ذریعہ التوائے جنگ اور عارضی صلح کے سلسلہ میں بعض اصول پیش کئے گئے تھے، مگر اس میں استصواب رائے کے متوقع انتظامات کے بارے میں کوئی مکمل اور واضح بات نہیں تھی۔

ہم نے یہ رزولیوشن اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا کہ اس کے حصہ ۳ میں مناسب تفصیلات مہیا کی جائیں تاکہ آزاد اور غیر جانب دارانہ رائے شماری کی وہ بنیادی شرائط شامل ہو جائیں جو سلامتی کونسل کے رزولیوشن مورخہ ۲۱ر اپریل میں بیان کی گئی ہیں مگر ہندوستان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کمیشن کے لئے وضاحتوں کے سلسلہ میں اس نہایت معقول سوال اور جائز درخواست کو قبول کرنا ناممکن ہو گیا۔



قائد ملت لیاقت علیخاں مسئلہ کشمیر پر تقریر فرما رہے ہیں



گراہم اور لیاقت علی خاں



عشائیہ

۱ لیاقت علی خاں + سراون ڈکسن

ہندوستان کے اس رکاوٹ ڈالنے کے رویہ کا ایک مقصد تو قطعی طور پر یہ تھا کہ ریاست جموں وکشمیر کی آئندہ حیثیت پر عوام کی رائے معلوم کرنے کے سلسلہ میں کوئی صاف اور واضح طریقہ نہ بن سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ کمیشن متضاد نقطہائے نظر میں مفاہمت نہ پیدا کر سکا، کمیشن نے گفت وشنید کا سلسلہ منقطع کر دیا، اور سلامتی کونسل کو اپنی رپورٹ پیش کرنے کے لئے یورپ روانہ ہو گیا، اس دوران میں کشمیر کی جنگ جاری رہی اور ہندوستانی حملہ کے زور وشدت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔

اس کے بعد نومبر میں گفت وشنید کا پھر آغاز ہوا، اور خاصے بحث ومباحثہ کے بعد ۱۱ ردسمبر کو کمیشن نے ایک رزولیوشن مرتب کیا جس میں ان تجاویز کا ذکر تھا جو ریاست جموں وکشمیر کے ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کے فیصلہ کے لئے رائے شماری کرانے اور اس کے انتظامات کے بارے میں تھیں۔

ان تجاویز کے بغور مطالعہ سے غیر جانب دار مبصر معلوم کر سکتا ہے کہ انہیں ۱۳ر فروری کے میک ناٹن رزولیوشن سے محض سطحی مماثلت تھی اور یہ سلامتی کونسل کے ۲۱ر اپریل والے رزولیوشن کا مقصد پورا کرنے سے بھی قاصر رہی تھیں، اس کے باوجود پاکستان نے نئی شرائط قبول کر لیں۔

ہندوستان نے بھی یہی کیا مگر دل میں چور رکھ کر جیسا کہ میں ابھی بیان کروں گا۔

التوائے جنگ!

التوائے جنگ کے احکام یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جاری کیے گئے اور کمیشن کی تجاویز ۵ جنوری کو باقاعدہ طور پر منظور کرلی گئیں مگر ہندوستان کو منصفانہ حد بندی کے لئے آمادہ کرنے پر کمیشن اور حکومت پاکستان کو مزید ۷ مہینے تک نہایت صبر اور ہوشیاری سے کام کرنا پڑا۔

کمیشن نے جب اپنے ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء والے رزولیوشن کے دوسرے حصہ پر عمل درآمد کا ارادہ کیا جو عارضی صلح کے بارے میں تھا تو اُسے حکومت ہند کی طرف سے نہایت عجیب غیر مصالحانہ رویہ کا سامنا کرنا پڑا۔

اس موقع پر نہ صرف حکومت ہند نے آزاد کشمیر کی افواج کو ختم کرنے اور شمالی علاقوں پر تسلط کے غیر متعلقہ سوالات اٹھائے، بلکہ اس نے ریاست جموں وکشمیر سے اپنی فوجیں ہٹا لینے کے صریح وعدے پر عمل کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا،

ہندوستان نے اس طرح وعدہ خلافی کوئی پہلی بار نہیں کی تھی مگر یہی سب کچھ نہ تھا، ہندوستان اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھا اور اس نے اصرار شروع کیا کہ کمیشن ہندوستانی افواج ہٹانے کے منصوبے سے پاکستان کو آگاہ نہ کرے۔

ہندوستان کے ان نئے مطالبات میں سے آزاد کشمیر فوج کی

برخاستگی کا مطالبہ ایسا نہ تھا کہ کمیشن کے رزولیوشن کے شرائط کے تحت عارضی صلح کی گفت وشنید کے وقت پیش کیا جا سکے۔

دوسرا سوال یعنی شمالی علاقوں کی حفاظت کے مسئلہ کا ذکر بھی رزولیوشن میں کہیں نہیں تھا، نیز یہ مطالبہ اس رزولیوشن کے اور کمیشن کی طرف سے کئے ہوئے مختلف وعدوں کے منافی تھا۔

اس کے علاوہ ہندوستانی فوجوں کے شمالی علاقہ میں تعین سے امن وصلح کی ضمانت ہونے کے بجائے بے چینی اور بدامنی ہونے کا امکان تھا جو ایشیا کے اس حصہ کے سیاسی توازن کو درہم برہم کر دیتا۔

کمیشن کی تیسری رپورٹ میں جو اس نے سلامتی کونسل کو پیش کی اس امر کا پورا ثبوت ہے کہ پاکستان کا رویہ اس سلسلہ میں نہایت مناسب تھا، اس رپورٹ میں نہایت پُرزور الفاظ میں حکومت ہند کے اس نامنصفانہ رویہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اس نے اپنی فوجیں پاکستانی فوجوں کے ساتھ ہٹانے سے انکار کر کے اختیار کیا۔

ہندوستان کا مقصد!

یہ امر اب آنریبل ممبروں پر قطعی طور پر واضح ہو گیا ہو گا کہ ہندوستان کا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے کہ وہ اقوام متحدہ کو اپنا کام پورا کرنے دے ہندوستان کی طے شدہ پالیسی یہ ہے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے استصواب رائے کے کام میں روڑے اٹکائے۔ نیز ہندوستان کا مقصد یہ ہے کہ کشمیر کے

مسلمانوں کو اس قدر کچل دیا جائے اور انھیں اتنا پست ہمت کر دیا جائے کہ اگر کبھی رائے شماری ہو بھی تو وہ آزادانہ اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکیں۔

عارضی صلح کی تجاویز کے سلسلہ میں اپنی کوششوں میں ناکام ہو جانے کے بعد کمیشن نے ۲۹ اگست ۱۹۴۹ء کو تجویز کیا کہ عارضی صلح کے شرائط کے تمام اختلافات ثالثی کے لئے استصواب رائے کے ایڈمنسٹریٹر جنرل ایڈمرل چسٹر نمٹز کے سامنے پیش کئے جائیں اور دونوں حکومتیں انکے فیصلے کی پابند ہوں۔

امن عالم کی خاطر امریکہ کے صدر ٹرومین اور برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ایٹلی نے بھی ذاتی طور پر پاکستان اور ہندوستان سے اسے منظور کر لینے کی اپیل کی تھی۔

ہم نے اس تجویز کو اسی جذبہ کے تحت منظور کر لیا، جس کے تحت وہ پیش کی گئی تھی مگر ہندوستان نے انھیں نامنظور کر دیا، ہٹ دھرمی کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی تھی۔

کمیشن کی واپسی!

کمیشن کو اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ واپس چلا جائے اور سلامتی کونسل کو اپنی رپورٹ پیش کر دے۔

اپنی حالیہ رپورٹ میں کمیشن نے اقوام متحدہ کے ایک ایسے

نمائندے کے تقرر کی سفارش کی ہے جسے ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کے رزولیوشنوں کے مطابق ان تمام مسائل کے سلسلہ میں جواب تک متنازعہ فیہ تھے، مفاہمت کرانے کے لئے زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل ہوں۔

۱۷ دسمبر کو سلامتی کونسل نے جنرل میکناٹن کو اجازت دیدی کہ وہ مخالف جماعتوں کے درمیان مصالحتی کام پھر شروع کر دیں، ان کی ۲۲ دسمبر کی تجاویز میں منجملہ دیگر امور کے یہ تجویز تھی کہ دونوں حکومتیں اقوام متحدہ کے نمائندہ کی نگرانی میں فوجیں ہٹانے کے ایک ترقی پسند و متوازن پروگرام کو قبول کرلیں اور جب فوجیں ہٹانے کا پروگرام قابل اطمینان طریقہ سے پورا ہو جائے تو ناظم استصواب رائے کمیشن کی ۵ جنوری کی قرارداد کے شرائط کی رو سے استصواب رائے عامہ کرائے، پاکستان نے یہ تجاویز قبول کرلین لیکن ہندستان نے حسب سابق انھیں نامنظور کر دیا۔

بین الاقوامی معاہدہ!

آئندہ اقدام سلامتی کونسل کو کرنا ہے، اب تک حکومت پاکستان نے ہندوستان کی کشمیر کو بزور شمشیر فتح کرنے کی پیہم کوششوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا ہے اور اس مسئلہ کو منصفانہ اور پرامن طور پر حل کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے، ان کوششوں کے باعث ایک

بین الاقوامی معاہدہ ہوگیا ہے کہ اس ریاست کے پاکستان یا ہندوستان سے الحاق کا مسئلہ ایک آزاد اور غیر جانبدارا استصواب رائے عامہ کے ذریعہ طے ہوگا۔

استصواب رائے عامہ سے قبل کے اقدامات اور وہ شرائط جن کے تحت استصواب رائے ہوگا کمیشن کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی قراردادوں میں درج ہیں، ان کی تصدیق سلامتی کونسل نے کی ہے اور حکومت ہائے پاکستان و ہند نے انھیں قبول کر لیا ہے۔ مگر ہندوستان کی ہٹ دھرمی کے باعث ان قراردادوں پر عملدرآمد نہیں ہو سکا ہے، لیکن حکومت پاکستان کو پوری امید ہے کہ سلامتی کونسل یقیناً جلد کوئی فیصلہ کرے گی اور اس بین الاقوامی معاہدہ کی شرائط کی دوبارہ توثیق کر کے ان شرائط پر فوری عمل درآمد کی ہدایت کرے گی۔

میں کہہ چکا ہوں کہ جغرافیائی، اقتصادی، ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے کشمیر پاکستان کا ایک جزو ہے، اس کی آبادی کی اکثریت کا مسلمان ہونا پاکستان کے لئے اس کا اہم حربیاتی موقف، اسکے دریاؤں کا بہاؤ، اس کی سڑکوں کے رخ، اس کے تجارتی راستے اس باہم اور قریبی تعلق کی وجہ سے جسکے ذریعہ اسکے عوام ہمیشہ پاکستان سے وابستہ رہے ہیں۔ کشمیر پاکستان کے ساتھ ناقابل شکست رشتہ میں

منسلک ہے، کوئی غیر متعصب شخص جو نقشہ دیکھے اور اس مسئلہ پر کچھ غور کرنے کے لئے تیار ہو، وہ لازمی یہی نتیجہ نکالے گا کہ کشمیر پاکستان کا ایک قدرتی حصہ ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود اور عالمی امن کو ترقی دینے کی دلی خواہش کی خاطر ہم اس پر راضی ہو گئے کہ اس معاملہ میں عوام کشمیر کی مرضی معلوم کرنا چاہئے، کیونکہ ہر قوم کا پیدائشی حق ہے کہ بلا جبر و اکراہ آزادی سے اپنی قسمت کا فیصلہ کرے، ہمیں عوام کشمیر کے فیصلہ سے خوف نہیں لیکن ہندوستان کو ہے اور اسی لئے وہ کشمیر کے باشندوں کو دبانے اور ان کے لئے ایک آزاد انتخاب کو ناممکن بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

عوام کشمیر کی بے اطمینانی اور مصیبت نیز ان تکالیف اور آزمائشوں سے جن میں ہندوستانی فوج کے قبضہ نے انھیں مبتلا کیا ہے۔ پاکستان کی حکومت آگاہ ہے۔ ہمیں کشمیر اور پاکستان کے عوام کی اس بڑھتی ہوئی بے صبری کا بھی پورا احساس ہے جو ان میں ایک جماعت کے موجودہ طرز عمل کے باعث پیدا ہو رہی ہے جسے ایک واقعی تعطل پیدا کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔

پاکستان اور کشمیر کے عوام، نیز عالمی امن کے لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم یہ مسئلہ حل کرنے کی ہر کوشش جاری رکھیں۔ اگر ممکن ہو تو ریاست کے عوام کے لئے پاکستان یا ہندوستان سے الحاق کا فیصلہ آزادیِ رائے سے کرنے کا حق حاصل کر کے اس مسئلہ کو پرامن طور پر حل کریں۔

ہمارا فیصلہ!

ہمارا فیصلہ انصاف پر مبنی ہے اور کم از کم مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ ہم اپنی مساعی میں کامیاب ہوں گے۔ ہزاروں سال سے جب سے اس سیارہ پر انسان کا وجود ہے، بہت سی تہذیبیں پیدا ہوئیں پھلی پھولیں اور فنا ہو گئیں، وہ تہذیبیں جن کی بنیاد عدل و صداقت پر تھی سب سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہیں اور انھوں نے سب سے زیادہ ترقی کی جو شخص بغور تاریخ کا مطالعہ کرے اُسے خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایک عالمگیر قانون ہے، جو افراد، جماعتوں، قوموں اور تہذیبوں کی زندگی پر یکساں طور پر حاوی ہے۔

تاہم ایسی قومیں بھی ہوئی ہیں جنھوں نے خیال کیا کہ وہ تاریخ کا سبق نظر انداز کر سکتی ہیں۔ انھوں نے دوسروں کا حق ہڑپ کرنے کی کوشش کی، دوسری قوموں کو غلام بنایا، اپنے وعدوں کو توڑا اور انھوں نے سمجھا کہ وہ خدا کا مذاق اڑا سکتے ہیں، لیکن آپ خدا کا مذاق نہیں اڑا سکتے، جو اخلاقی قوانین تاریخ پر حاوی ہیں، آپ چاہیں تو انھیں بھول سکتے ہیں، لیکن یہ آپ ہی کے لیے مضر ہے۔ اللہ مہلت تو دیتا ہے مگر چھوڑتا نہیں۔

تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ لوگ جو اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے، اور وہ جو اپنے حق کی حفاظت نہیں کر سکتے

فنا ہو جاتے ہیں، کیونکہ زندگی پیہم اور متواتر جدوجہد کی طالب ہے۔

ہمارا مقصد!

ہم نہ تو جنگ کرنا چاہتے ہیں نہ کسی سے جھگڑا کرنا پسند کرتے ہیں اور نہ ہم کسی کے بدخواہ ہیں، لیکن اسکے ساتھ ہی ہم جبر کے سامنے اپنا سر نہیں جھکائیں گے۔ نہ ہم مسئلہ کشمیر کا کوئی غیر منصفانہ حل قبول کرینگے خواہ کتنی ہی قربانیاں دینی ہوں، خواہ کچھ بھی نتائج ہوں اور چاہے کوئی کچھ بھی کہے یا کرے ہم یہ نہیں ہونے دیں گے کہ ہندوستان بزور شمشیر کشمیر پر قبضہ کرے اور ہم ان لاکھوں کشمیری مسلمانوں کو نہیں بھلائینگے جن کی زندگیاں ہندوستانی فوج اور ہندو ظالموں نے جہنم بنا دی ہیں۔

یہ لوگ آزادی اور اپنی زندگی کو زندگی کہنے کے حق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ اس لئے جدوجہد کر رہے ہیں کہ انھیں اپنی محنت کا منصفانہ صلہ ملے، اور ظلم و ناانصافی سے نجات ہو۔

ممکن ہے انھیں عارضی رکاوٹیں پیش آئیں، لیکن انشاءاللہ بالآخر وہ کامیاب ہوں گے، اور انھیں غلام بنانے کے لئے ان پر ظلم کرنے والوں کی مکروہ چالیں اور انھیں انسانی حقوق سے محروم کرنے کی ذلیل سازشیں ناکام ہوں گی۔

خدا پر بھروسہ کرکے اور خوف و نفرت کے بغیر ہم اس کام کو پورا کرنے کے لیے بڑھیں گے جو ہم نے اپنے لئے معین کیا ہے۔

پاکستان کا موقف!

اس حقیقت آفریں تقریر نے پاکستان کے موقف کو ساری دنیا کے سامنے آئینہ کی طرح روشن کردیا، اور دنیا نے جان لیا کہ حق پر کون ہے؟ اور ناحق پر کون؟

باب ۱

پاکستان کی اقلیتیں!

ڈھاکہ کی ایک یادگار تقریر!

پاکستان کو تباہ و برباد کرنے کے جو منصوبے تیار ہوئے اُن میں ایک اہم مسئلہ پاکستان کو اقلیتوں سے خالی کرا لینے کا بھی ہے، سندھ بلوچستان، سرحد، یہاں اقلیتوں کے ساتھ کوئی خاص زیادتی نہیں ہوئی کوئی بڑا ہندو مسلم فساد نہیں ہوا، پنجاب کی طرح قتل و غارت کا لامتناہی سلسلہ شروع نہیں ہوا، پھر بھی یہ مقامات اقلیتوں سے خالی کرا لئے گئے۔

مقصد کیا تھا!

یہ اس لیے کیا گیا کہ پاکستان مفلوج ہو جائے، مذکورہ مقامات سے

ہندوؤں کا انخلا صرف اس لئے عمل میں آیا کہ اقتصادی طور پر پاکستان کو تباہ کرنے کی اس سے بہتر کوئی اور ترکیب ہی نہیں تھی؛ یہاں کے ہندو مالدار تھے، کاروبار ان کے ہاتھ میں تھا۔ صنعت و حرفت کے وہ مالک تھے، تجارت اور زراعت کا انحصار اُن پر تھا، امپورٹ اکسپورٹ کی بزنس کا تمام ٹھیکہ گویا اُن ہی کے پاس تھا۔ مسلمان صرف اس لئے تھے کہ قرض لیں، سود در سود ادا کریں، وہ کمائیں یہ کھائیں۔

ظاہر ہے یک بیک اتنا بڑا سرمایہ لے کر جب ہندو مغربی پاکستان سے رخت سفر باندھیں گے تو پاکستان کے ختم ہونے میں کیا کسر رہ جائے گی۔؟

یہ مرحلہ اس لئے اور آسانی سے طے ہو گیا کہ سرحد بلوچستان اور سندھ میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔

اور بنگال؟

لیکن بنگال کا معاملہ مختلف تھا، وہاں تقریباً سوا کروڑ ہندو مشرقی بنگال میں، آباد ہیں، اتنی بڑی تعداد کو ہجرت پر مجبور کیا جا سکتا ہے نہ اس کے لئے جگہ نکالی جا سکتی ہے، نہ کاروبار مہیا کیا جا سکتا ہے، پھر کیا ہو۔؟

شیاما پرشاد مکرجی وغیرہ نے علی الاعلان یہ تجویز پیش کی کہ آسام، تری پورہ اور مغربی بنگال کے مسلمان مشرقی بنگال بھیج دیئے جائیں اور مشرقی بنگال کے ہندو مذکورہ مقامات میں آباد کر دیئے جائیں، بلکہ یہ لوگ تو اس اسکیم

کو بہار اور اڑیسہ تک وسیع کرنا چاہتے تھے، لیکن کچھ دنیا کی شرم سے، کچھ عملی مشکلات کے باعث نہ کانگرس اس تجویز کو منظور کرا سکی، نہ حکومت ہند اس پر راضی ہوئی کہ اتنا بڑا خطرہ مول لے۔

عملی اقدام!

کانگرس اور حکومت ہند سے مایوس ہو کر، مہا سبھا، راشٹریہ سیوک سنگھ اور دوسرے ہندو اداروں کے لوگوں نے جن میں کانگرس کے متعصب اور فرقہ پرست لوگ بھی قومیت متحدہ کے مدعی ہونے کے باوجود کافی تعداد میں شامل تھے، معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

کام اس طرح شروع کیا کہ آسام، تری پورہ اور مغربی بنگال میں فسادات شروع کرا دیے، مسلمان بہار اور پنجاب سے ڈرے ہوئے تھے انھوں نے بھاگنا شروع کر دیا، ادھر مشرقی بنگال کے ہندوؤں کو یہ سبق دیا گیا کہ جنگ ہند و پاکستان سے چھڑنے والی ہے لہٰذا جس قدر جلد "مسلم حکومت" سے بچ کر ہندو حکومت کے زیر سایہ پہونچ سکو اتنا ہی بہتر ہے ورنہ "مسلم حکومت" ہندوؤں کو پیس ڈالیگی بے چارے ہندو اس بہکاوے میں آ گئے۔ اور انھوں نے بوریہ بستر سنبھالکر ترک وطن کا سلسلہ شروع کر دیا، دیکھتے ہی دیکھتے یہ آگ اتنی بھڑکی کہ مغربی بنگال سے مسلمان اور مشرقی بنگال سے ہندو دھڑا دھڑ بھاگنے لگے، یہی وہ موقع تھا جب مشرقی بنگال کے ہندوؤں کے لیے سردار پٹیل نے پاکستان سے زمین مانگی تھی اور جواہر لال نے جنگ کی دھمکی دی تھی۔

مشرقی پاکستان کا دورہ!

اس موقع پر لیاقت علی خاں نے اپنا فرض ایک اچھے مسلمان کی حیثیت سے محسوس کیا، اور مشرقی بنگال کے فساد زدہ رقبہ کا ایک طویل دورہ کیا انھوں نے جلسوں میں شرکت کی، ہندوؤں کے مجامع میں تقریریں کیں، ہندوؤں کو ڈھارس بندھائی، انھیں یقین دلایا کہ ان کے ساتھ ہرگز کسی قسم کی زیادتی روا نہیں رکھی جائے گی، پاکستان میں ایک پاکستانی کی حیثیت سے انھیں وہی حقوق حاصل ہیں جو ایک مسلمان کو حاصل ہو سکتے ہیں، ان کی جان، مال، عزت، آبرو کی حکومت پوری پوری حفاظت کرے گی اور انھیں کسی جائز شکایت کا موقع نہیں دے گی

ڈھاکہ کی تقریر!

اپنا دورہ ختم کرنے کے بعد لیاقت علی خاں نے ۲۴ر مارچ ۱۹۵۰ء کو ڈھاکہ میں ایک زبردست معرکہ آرا، اور یادگار تقریر کی، ضروری ہے کہ اس تقریر کے ضروری اور اہم حصص پیش نظر رہیں۔

پاکستانی مسلمانوں کو جھاڑ!

اپنی تقریر میں لیاقت علی خاں نے اُن مسلمانوں کو سختی کے ساتھ جھاڑا جنھوں نے اس کشت و خون میں حصہ لیا تھا۔

لیاقت علی خاں نے کہا:۔

وہ پاکستانی جنھوں نے اس گڑ بڑ میں حصہ لیا ہے یا جن کے ایما سے قانون شکنی واقع ہوئی ہے کسی حالت میں بھی پاکستان کے دوست یا اچھے شہری کہلانے کے حق دار نہیں ہیں۔

پاکستان اور غیر مسلم!

پھر لیاقت علی خاں نے پورے احساس ذمہ داری اور نطق و کلام کے پورے جوش کے ساتھ کہا،

میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہر پاکستانی کو خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو ایک ہی جیسے حقوق حاصل ہیں، پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے اپنی قرار داد مقاصد میں اس چیز کو روشن کر دیا ہے۔

بعض غیر مسلم جو پاکستان کے دشمن ہیں یہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہم پاکستان میں ایک اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس ملک میں غیر مسلموں کے لئے جگہ نہیں ہے۔ اس سے زیادہ گمراہ کن اور جھوٹا کوئی پروپگنڈا نہیں ہو سکتا،۔ میں نے بار ہا اس بات پر زور دیا ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو پورے حقوق نہیں حاصل ہوں گے یا تو وہ اسلامی اصولوں سے بے بہرہ ہیں یا دانستہ حقیقت مسخ کر کے ایسا غلط پروپگنڈہ کرتے ہیں۔

میں نے اپنی تقاریر میں بار بار کہا ہے کہ ہم پاکستان کو برابری اخوت

اور معاشی انصاف کے اصولوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں، ہم ایک ایسی معاشرت کا قیام چاہتے ہیں جس سے ہر فرد خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم نہ صرف اپنی محبت کا جائز پھل پا سکے بلکہ اس کو اطمینان ہو کہ اس کے ساتھ ہر حالت میں پورا پورا انصاف کیا جائے گا اور اس کو برابری کے حقوق حاصل ہوں گے۔

میں پاکستان کی اقلیتوں کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ان کو نہ صرف وہ حقوق حاصل ہیں جو پاکستانیوں کو حاصل ہیں بلکہ ان کی حفاظت اور انکی معاشرتی ترقی ہمارا مقدس فرض ہے۔

میں ہرگز یہ نہیں چاہتا اور مجھے یقین ہے کہ ہر عقلمند پاکستانی میرا ہم خیال ہے کہ اقلیت کا کوئی بھی آدمی پاکستان کو چھوڑ کر چلا جائے، میری یہ خواہش ہے جو لوگ اس وقت تک خوف زدہ ہو کر یہاں سے چلے گئے ہیں وہ واپس آجائیں، لیکن اس کے باوجود جو لوگ یہاں سے جانا چاہیں گے ہم اُن کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے، کیونکہ اس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اصل سبب!

پھر لیاقت علی خاں نے بتایا، مشرقی پاکستان کے ہندو ترک وطن کیوں کر رہے ہیں؟ انھوں نے کہا اور بالکل سچ کہا۔

اقلیتوں کے دلوں میں جو اس وقت ہراس ہے وہ اس لئے نہیں کہ یہاں ان کو کوئی خطرہ ہے، اس لئے نہیں کہ اب مشرقی بنگال میں امن نہیں ہے



لیاقت علی خاں پاکستانی مسلمانوں اور ہندوؤں کے مجمع میں



اس لئے بھی نہیں کہ مشرقی پاکستان کی حکومت نے حالات پر پوری طرح قابو نہیں پالیا ہے، مجرم کے خلاف پوری کارروائی نہیں کی گئی یا انتہائی کوشش کرکے لوٹ کا مال اصلی مالکوں کو واپس نہیں دلایا گیا، مشرقی پاکستان میں اس وقت مکمل امن ہے، کئی ہزار گرفتاریاں کی جاچکی ہیں اور ہمارا قوی ارادہ ہے کہ ہر حالت میں امن کو قائم رکھا جائے گا، اقلیتوں کے دلوں میں جو خوف یا بے چینی ہے اس کے اصل وجوہ بالکل مختلف ہیں۔

مشرقی پاکستان کے ہندوؤں سے مغربی بنگال اور ہندوستان کے کئی اور صوبوں کے لیڈر متواتر یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان اور ہندوستان میں عنقریب جنگ ہونے والی ہے اس لئے ان کو چاہئے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے چلے جائیں۔

نفسیاتی توجیہ!

اپنی اس تقریر میں لیاقت علی خان نے مشرقی پاکستان سے ہندوؤں کے ترک وطن کی ایک نفسیاتی توجیہ بھی کی، جو سراسر حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہے، انھوں نے کہا:۔

دوسری وجہ وہ حالات ہیں جو مغربی بنگال اور آسام میں پیدا ہوگئے ہیں، ان صوبوں میں مسلمانوں پر مظالم کی جوں ہی خبر آتی ہے تو اس صوبہ کے ہندوؤں کی گھبراہٹ بڑھ جاتی ہے۔

یقین دہانی!

پھر پاکستان کے ہندوؤں سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم پاکستان نے کہا:۔

میں پاکستان کی اقلیتوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جنگ کے متعلق بے بنیاد افواہوں پر یقین نہ کریں اور یہ اچھی طرح جان لیں کہ پاکستان کی حکومت ہر طرح سے ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے گی۔ جو لوگ قانون شکنی کے مرتکب ہوں گے ان کو مناسب سزا دی جائے گی۔ ان فسادات میں جن لوگوں کا نقصان ہوا ہے اُن کی مدد کی جا رہی ہے اور اُن کو پھر سے بسانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے اور یہ کوشش اس وقت تک جاری رہے گی جب تک یہ کام تکمیل تک نہ پہونچ جائے۔

مظلوم مسلمان!

اپنی اس تقریر میں لیاقت علی خاں نے مغربی بنگال کے مظلوم مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

مغربی بنگال اور آسام کے مسلمانوں پر ظلم کیا جا رہا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب تک کئی لاکھ مسلمان ان صوبوں سے مشرقی پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس وقت تک تقریباً ۲ لاکھ مہاجرین کے نام رجسٹر ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے اپنے نام رجسٹر نہیں کرائے

اُن کی صحیح تعداد بیان کرنا مشکل ہے۔

اُن مہاجرین سے جو اپنا سب کچھ چھوڑ آئے ہیں مجھے دلی ہمدردی ہے۔ جو لوگ ان میں سے نادار ہیں حکومت اُن کی مدد کر رہی ہے۔

حکومت ہند اور مسلمان!

پھر حکومت ہند کے احساس ذمہ داری پر تبصرہ کرتے ہوئے لیاقت علیخان نے کہا:-

میرے پاس ابھی تک نہایت معتبر ذریعوں سے خبریں آ رہی ہیں کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں مسلمانوں سے بہت تشدد کا برتاؤ کیا جا رہا ہے اور حکومت ان کی حفاظت کرنے سے قاصر ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ ہندوستان کی حکومت ہماری طرح امن قائم کرنے کا تہیہ کر کے ان حالات پر جلد از جلد قابو پانے کی کوشش کرے گی۔ جب تک ہندوستان کی حکومت مفسد لوگوں کو سختی سے نہ دبائے گی، حالات بہتر نہیں ہوں گے۔

سبق آموز!

اقلیتوں کے سلسلہ میں لیاقت علی خاں کی یہ تقریر سبق آموز تھی اور ان کا عمل بھی، اقلیتوں کی حفاظت کرنے اور اُن میں خود اعتمادی کا جوہر پیدا کرنے کے لئے لیاقت علی خاں نے جو کچھ کہا اگر اسکا عشر عشیر بھی حکومت ہند

نے کیا ہوتا تو مسلمان ہر طرح کی ناسازگاریوں کے باوجود وہیں رہتے اور یہی نعرہ لگاتے کہ

آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیوں؟

وہ وہیں رہتے، وہیں جیتے، وہیں مرتے، لیکن انھیں تو اس طرح کھدیڑا گیا جس طرح سوامی شنکراچاریہ کی تلقین سے کسی زمانے میں بدھوں کو کھدیڑا گیا تھا۔!

انھیں اپنے یہاں پناہ دی۔

مسلمانوں کی رواداری

مسلمانوں کی رواداری کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں ہے جہاں اقلیتیں کافی تعداد میں موجود نہ ہوں اور جہاں وہ اپنے مذہب اور ثقافت کو برقرار نہ رکھ سکی ہوں۔

ہندوستان کے اس برصغیر میں جہاں کبھی مسلمانوں کو لامحدود اختیارات حاصل تھے غیر مسلموں کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھا گیا اور ان کا ہمیشہ تحفظ کیا گیا۔

مسلمانوں ہی کی سرپرستی میں ہندوستان کی بہت سی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا، میرے بنگال سے آنے والے دوستوں کو یاد ہوگا کہ یہ صرف مسلمان حکمرانوں کی حوصلہ افزائی ہی کا نتیجہ تھا کہ سب سے پہلے ہندوؤں کی مقدس کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے بنگالی میں کیا گیا، یہی وہ رواداری ہے جس کا تصور ہمیشہ اسلام نے پیش کیا ہے جس میں اقلیتیں ذلت و رسوائی کی حالت میں نہیں رہتیں بلکہ باعزت طریقہ پر زندگی بسر کرتی ہیں اور انھیں اپنے نظریات اور اپنی ثقافت کو فروغ دینے کے مواقع دیے جاتے ہیں تاکہ وہ پوری قوم کی عظمت میں اضافہ کرسکیں۔

عدل عمرانی

جہاں تک عدل عمرانی کا تعلق ہے میں کہوں گا کہ اسلام اس میں

امتیازی اضافہ کرتا ہے، اسلام ایک ایسے معاشرے کے قیام کا حامی ہے جسمیں عدل عمرانی کا تصور نہ خیرات پر مبنی ہے، نہ تشدد پر، اسلام جو عمرانی عدل قائم کرنا چاہتا ہے وہ ان بنیادی ضابطوں اور تصورات پر مبنی ہے، جو انسان کی زندگی کو احتیاج سے پاک رکھنے کے ضامن ہیں، اور جو دولت آزادی سے مالامال کر دینے والے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جمہوریت، آزادی مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کی ایسی تعریف کی گئی ہے جس کی وجہ سے ہمارے خیال کے مطابق ان الفاظ کے عام معانی کی بہ نسبت زیادہ گہرے اور وسیع معانی پیدا ہو گئے ہیں۔

اسلام اور مسلم حکومت!

قرارداد کی اس دفعہ کے بعد یہ دفعہ درج ہے کہ لازماً مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسولؐ میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں۔

اگر مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی زندگی اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق بنالیں تو اس پر کسی غیر مسلم کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ قائداعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے رہنماؤں نے ہمیشہ یہ واضح اور غیر مبہم اعلانات کئے کہ پاکستان کے قیام کے لئے مسلمانوں کا مطالبہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ مسلمانوں کے یہاں اپنا طریق زندگی اور ضابطہ

اخلاق موجود ہے، انھوں نے بارہا اس امر پر بھی زور دیا کہ اسلام کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ خدا اور بندے کے درمیان ایک ایسا تعلق قائم ہو جسے مملکت کے کاروبار میں کسی قسم کا دخل نہ ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں عمرانی اخلاق کے متعلق مخصوص ہدایات ہیں اور اسلام روز مرہ پیش آنے والے مسائل کے متعلق معاشرے کے طرز عمل کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام ذاتی عقائد اور اخلاق کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے پیرووں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کریں جس کا مقصد حیات صالح ہو۔

صالح زندگی کا تصور

یونانیوں کے برخلاف اسلام نے صالح زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے اس کی اساس لازماً روحانی قدروں پر قائم ہے، ان اقدار کو اہمیت دینے اور انھیں نافذ کرنے کے لئے مملکت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی سرگرمیوں کی اس طریقہ پر ہم نوائی کرے کہ ایسا نیا عمرانی نظام قائم ہو جائے جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہو جن میں جمہوریت، اخوت، رواداری اور عمرانی عدل شامل ہیں۔ ان کا ذکر تو میں نے محض تمثیلاً کیا ہے کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات جو قرآن مجید اور سنت نبوی پر مشتمل ہیں محض ایک پر ختم نہیں ہو جاتیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہو سکتا جس کا ایسا ایمان نہ ہو کہ کلام اللہ اور اسوۂ رسولؐ ہی اس کے روحانی فیضان کے بنیادی

سرچشمے ہیں۔ ان کے متعلق مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف رائے نہیں ہے اور اسلام کا کوئی فرقہ نہیں ہے جو ان کے وجود کو تسلیم نہ کرتا ہو۔

غیر مسلموں کے حقوق!

ایک اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کے مقصد میں ہم نے غیر مسلموں کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا، اگر ہم اقلیتوں کی آزادی میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتے تو یہ ایک غیر اسلامی فعل ہوتا اور ہم یقیناً اپنے مذہبی احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے، اقلیتوں کو اپنے مذہب پر چلنے، اس کی حفاظت کرنے یا اپنی ثقافت کو فروغ دینے سے کسی طرح بھی روکا نہیں جائے گا، اسلامی ثقافت کے نشوونما کی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان حکومتوں اور سلطنتوں کے تحت زندگی بسر کرنے والی اقلیتوں کی ثقافتیں میراث کی اس دولت میں اضافہ کرنے کا موجب ہوئیں جو مسلمانوں نے اپنے لئے مہیا کی تھی۔

میں اقلیتوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمیں اس امر کا پورا پورا احساس ہے کہ اگر اقلیتیں انسانی علم و فکر کی دولت میں اضافہ کر سکیں تو یہ پاکستان کی نیک نامی میں اضافہ کا موجب ہوگا، اور ہماری قوم کو چار چاند لگا دے گا۔ اس لئے اقلیتوں کو نہ صرف کامل آزادی کی توقع کرنی چاہئے بلکہ یہ امید بھی رکھنی چاہئے کہ اکثریت ان کے ساتھ قدر دانی اور احترام کا وہی برتاؤ کرے گی جو تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں کا